بعض اہم اور ضروری امور

(۱۹۴۱ء)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بعض اہم اور ضروری امور

(تقریر فرمودہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۱ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

۱۔اخبارات سلسلہ

اپنے مضمون کو شروع کرنے سے قبل مَیں حسبِ سابق تمام دوستوں کو پھر ایک بار بلکہ شاید بیسیوں بار بلکہ اس سے بھی زیادہ بار توجہ دلاتا ہوں کہ سلسلہ کے اخبارات اور رسائل کی اشاعت بڑھانا ان کا اہم فرض ہونا چاہئے۔انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس درخت کو پانی نہ ملتا رہے وہ خشک ہو جاتا ہے اور اِس زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اخبار پانی کا رنگ رکھتے ہیں اور اس لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ بات مَیں کئی بار کہہ چکا ہوں مگر افسوس ہے کہ دوست توجہ نہیں کرتے بلکہ بعض تو نادانی سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اخباروں میں وہی باتیں بار بار دُہرائی جاتی ہیں حالانکہ جو بات مفید ہواُسے دُہرانا ضروری ہوتا ہے۔اگر دُہرانا ایسا ہی بُرا ہے تو ایسے لوگ روٹی کھانے اور پانی پینے کے فعل کو کیوں دُہراتے ہیں۔جس طرح انسان کا جسم تحلیل ہوتا رہتا ہے اور اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ انسان پھر روٹی کھائے اور پانی پیئے۔اسی طرح دماغی تحلیل بھی ہوتی رہتی ہے اور اس لئے پھر ان باتوں کا دُہرانا ضروری ہوتا ہے۔اگر ان کو دُہرایا نہ جائے تو اثر قائم نہیں رہ سکتا۔ پس دُہرانا بُری بات نہیں بلکہ ضروری ہے۔اذان دن میں پانچ بار دُہرائی جاتی ہے۔ یہ اخبار کا ذکر تو کوئی دُہراتا ہو تو مہینہ یا سال کے بعد دُہرائے گا مگر اذان تو دن میں پانچ بار دُہرائی جانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہم پر ڈالی ہے۔پھر نماز دن میں پانچ بار دُہرانے کا حکم ہے۔وہی **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** وہی **اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ** ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے، وہی سورہ فاتحہ ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہے، وہی ہر نماز اور ہر رکعت

میں سینے پر ہاتھ رکھے جاتے ہیں، وہی سجدہ اور وہی رکوع دُہرایا جاتا ہے۔ نماز بالکل اِسی طرح دن میں پانچ بار دُہرائی جاتی ہے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لے کر اب تک چلی آتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک ہمارے باپ دادا، ان کے باپ دادا اور پھر ان کے باپ دادا بالکل اسی طرح دُہراتے چلے آئے ہیں۔ اور اگر دُہرانا عیب ہے تو اسے کیوں دُہرایا جاتا ہے۔ اور وہی نماز جو کل پڑھی تھی۔ آج دُہرائی جاتی ہے۔ وہی روٹی کھانے اور پانی پینے کا عمل ہر روز دُہرایا جاتا ہے۔ وہی دن جو کل چڑھا تھا آج پھر چڑھا ہے۔ اور وہی رات ہر روز آتی ہے۔ اور کبھی کوئی نہیں کہتا کہ دن دوبارہ نہ چڑھے اور رات دوبارہ نہ آئے۔ کیونکہ کل بھی دن تھا اور رات تھی۔ اس لئے آج دن ہو اور نہ رات۔ ذرا غور کرو کہ اگر انسان کی نیند اُڑ جائے تو اسے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ میرا اپنا گزشتہ شب کا تجربہ ہے کہ مجھے نیند نہ آتی تھی اور صبح تقریر کرنی تھی۔ میں نے ڈرام یا نصف ڈرام برومائیڈ پی لی۔ مجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ اتنی خوراک درست بھی ہے یا زہریلی ہو جاتی ہے۔ مگر چونکہ نیند نہ آ رہی تھی میں نے پی لی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر رات کو نیند نہ آئی تو صبح نہ کوئی کام کر سکوں گا اور نہ تقریر کر سکوں گا۔ تو کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ میں کل بھی سویا رہا ہوں آج نہ سوؤں۔ بلکہ شدید خواہش رکھتا ہے کہ وہی نیند جو کل آئی تھی اور جو روز آتی ہے ہر روز آتی رہے۔ پس کسی بات کا دُہرایا جانا قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ مفید چیزوں کا دُہرایا جانا ضروری اور مفید ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مؤمنوں کے متعلق آتا ہے کہ **كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا**[1] جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں وہی رزق دُہرائے جائیں گے۔

پس محض دُہرانا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہر روز کئی باتیں دہرائی جاتی ہیں اور انسان چاہتا ہے کہ وہ دُہرائی جائیں۔ ان کا نہ دُہرایا جانا اسے کبھی پسند نہیں ہوتا۔ پس یہ کہنا غلطی ہے کہ یہی بات ہمیشہ دُہرائی جاتی ہے۔ جماعت کے دوستوں کو اس طرف ضرور توجہ کرنی چاہئے کہ سلسلہ کے اخبارات کو خریدیں انہیں پڑھیں اور ان سے فائدہ اُٹھائیں۔ میں تو جہاں تک ہو سکے پڑھتا ہوں اور بسا اوقات فائدہ بھی اُٹھاتا ہوں۔ میں نے تو کبھی کوئی ایسا مضمون نہیں پڑھا جو دوبارہ شائع ہؤا ہو لیکن اگر کوئی مضمون دوبارہ بھی شائع ہؤا ہو تو بہرحال اس کا اسلوب اور طرزِ بیان جُدا ہوتا ہے اور اس چیز سے بھی فائدہ ہوتا ہے بعض عام باتیں بھی بہت

بڑے فائدہ کا موجب ہوتی ہیں۔ کل ہی میرا علمی مضمون ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو آپ لوگ دیکھیں گے کہ ان میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو عام ہیں اور روزمرہ ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے میں انہیں بیان کرسکوں یا نہ۔ اور کس حد تک بیان کرسکوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آپ لوگ دیکھیں گے کہ ایسی ہی مثال ہوگی جیسے معمولی معمولی چیزوں سے ایک عجوبہ تیار کرلیا جائے جس رنگ میں یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھایا ہے وہ بالکل نرالا ہے اور اگر اسے سننے کے بعد کوئی کہے کہ یہ تو وہی باتیں ہیں جو عام طور پر ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں تو گو اُس کی یہ بات صحیح تو ہوگی لیکن اگر وہ ان کی ترتیب کو دیکھے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ اس رنگ کی ہے کہ یہ مضمون کسی کے ذہن میں پہلے نہیں آیا اور وہ محسوس کرے گا کہ یہ قرآن کریم کا بڑا کمال ہے کہ اِس کے اندر سے نئے نئے علوم نکلتے رہتے ہیں۔ میں قرآن کریم پر بہت غور کرنے والا آدمی ہوں اور اس مضمون کی ترتیب کو دیکھ کر مَیں خود حیران ہوں کہ جو آیات روزانہ ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں ان میں سے بعض ایسے نئے مضامین پیدا ہوئے ہیں کہ مجھے خود حیرت ہوتی ہے اس لئے یہ عُذر کہ وہی باتیں دُہرائی جاتی ہیں بالکل غلط ہے۔

پس دوستوں کو اخبارات کی اشاعت کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے اور دوسروں کو بھی اس کی تحریک کرنی چاہئے۔ ہماری جماعت اتنی ہی نہیں جتنی یہاں موجود ہے۔ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے بہت زیادہ ہے۔ کسی زمانہ میں ساری جماعت عورتیں اور بچے ملا کر بھی اتنی ہی ہوگی جتنی اب یہاں موجود ہے مگر اُس وقت سلسلہ کے اخبارات کی اشاعت ڈیڑھ دو ہزار ہوتی تھی۔ مگر اب الفضل کے خریدار صرف بارہ سَو ہیں حالانکہ اگر کچھ نہیں تو پانچ چھ ہزار اِس وقت ہونے چاہئیں۔ لوگ غیر ضروری باتوں پر روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ امراء کے گھروں میں بیسیوں چیزیں ایسی رکھی رہتی ہیں جو کسی کام نہیں آتیں۔ مگر لوگ ان پر اس لئے روپے خرچ کرتے ہیں کہ کبھی کسی مہمان کے آنے پر اس کے سامنے لائی جائے تو وہ دیکھ کر کہے کہ اچھا خان صاحب آپ کے پاس یہ چیز بھی موجود ہے۔ بس اتنی سے بات سن کر ان کا دل خوش ہو جاتا ہے اور وہ پچاس روپیہ کی رقم جو اُس پر خرچ کی ہوتی ہے گویا اِس طرح وصول ہو جاتی ہے۔ تو ایسی غیر ضروری چیزوں پر تو لوگ روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی باتوں پر نہیں کرتے۔ ان کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ وہ دُہرائی جاتی ہیں حالانکہ اخبارات نہ صرف ان کے

فائدہ کی چیز ہیں بلکہ ان کی اولادوں کے لئے بھی ضروری ہیں۔ میں تو یہاں تک کوشش کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے ایک کتاب کی کئی کئی جلدیں مہیا کر کے رکھوں۔ میرے دل پر یہ بوجھ رہتا ہے کہ میری اولاد خدا تعالیٰ کے فضل سے زیادہ ہے ایسا نہ ہو کہ سب کے لئے کُتب مہیا نہ ہو سکیں۔ میرے پاس بعض کتابوں کے تین تین چار چار نسخے ہیں۔ میں نے چند روز ہوئے ''مُسلم'' جو حدیث کی کتاب ہے منگوانے کو کہا۔ مولوی نور الحق صاحب دو مختلف قسم کی کتابیں لائے کہ ان میں سے کونسی منگوائی جائے؟ میں نے کہا دونوں منگوالیں بچوں کے کام آئیں گی۔ تو کتابوں کا رکھنا اولاد کے لئے بہت مفید ہوتا ہے۔ ایک دن آئے گا کہ وہ دنیا میں نہ ہوں گے اُس وقت ان کی اولادیں ان اخبارات کو پڑھیں گی اور اپنے ایمان کو تازہ کریں گی۔ بعد میں ان کے لئے ان کا حاصل کرنا مشکل ہوگا۔

دیکھو آج پُرانے ''الفضل'' اور ریویو وغیرہ کے پرچے کس قدر مشکل سے ملتے ہیں۔ کئی دوستوں نے مجھ سے بھی شکایت کی ہے کہ پُرانے پرچے نہیں ملتے۔ پس آج دوستوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے اور ان چیزوں کو خرید کر فائدہ اٹھانا چاہئے اور پھر اپنی اولادوں کے لئے ان کو محفوظ کر دینا چاہئے۔

سلسلہ کے اخبارات میں سے ''الفضل'' روزانہ ہے۔ جہاں کوئی فرد نہ خرید سکے وہاں کی جماعتیں مل کر اسے خریدیں۔ مجلس شوریٰ میں بھی اس سال یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ کہ جن جماعتوں کے افراد کی تعداد بیس یا اس سے زیادہ ہے وہ لازمی طور پر روزانہ الفضل خریدیں اور جس جماعت کے افراد کی تعداد بیس یا اس سے کم ہو۔ وہ ''الفضل'' کا خطبہ نمبر یا ''فاروق'' خریدے۔ ''فاروق'' بھی پیغامیوں، آریوں اور عیسائیوں وغیرہ کے متعلق بہت مفید مضامین لکھتا رہتا ہے۔ ''نور'' سکھوں اور ہندوؤں کے لئے ہے۔ ہماری تبلیغ میں ہندوؤں کا حصہ ہے مگر ''نور'' کو چاہئے کہ اپنے دائرہ کو وسیع کرے۔ اِس سے محض غلط فہمیاں دُور کرنے کا ہی کام نہیں لینا چاہئے بلکہ اسے تبلیغی اخبار بنانا چاہئے۔ بے شک تلخی نہ ہو وہ تو اسلام میں جائز ہی نہیں لیکن محبت اور پیار سے ہندوؤں اور سکھوں کو اسلام کی خوبیوں کی طرف توجہ دلانی چاہئے اور انہیں بتانا چاہئے کہ اسلام میں ان کا داخلہ جہاں ایک طرف سچائی کو قبول کرنے کا موجب ہوگا وہاں دوسری طرف ان کے آباء اور بزرگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے مترادف ہوگا۔ اسی طرح ''ریویو'' اردو اور انگریزی بھی اب بہتر ہیں میرا یہ مطلب نہیں کہ ابتدائی حالت سے بہتر ہیں۔ اُس وقت تو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مضمون اِس میں ہوا کرتے تھے بلکہ درمیانی عرصہ میں جو نیند کا زمانہ ان پر آیا تھا اُس سے بہتر ہیں۔ ''سن رائز'' بھی بہت مفید کام کر رہا ہے۔ اور ان ممالک میں جہاں ہم اور کسی زبان میں اپنے خیالات نہیں پہنچا سکتے۔ مثلاً امریکہ، انگلستان وغیرہ وہاں بڑا اچھا اثر پیدا کر رہا ہے۔ میرے خطبات اور سلسلہ کی دیگر تحریکات وغیرہ اسی کے ذریعہ ان ممالک کے احمدیوں تک پہنچتی ہیں اور ان سب کے خریدنے کی میں سفارش کرتا ہوں۔ دوستوں کو چاہئے کہ کثرت سے ان اخبارات اور رسائل کو خریدیں اور انہیں خریدنا اور پڑھنا ایسا ہی ضروری سمجھیں جیسا زندگی کے لئے سانس لینا ضروری ہے۔ یا جیسے وہ روٹی کھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ دیکھو ایک زمانہ تھا جب آٹا دو روپیہ من بِکتا تھا اُس وقت بھی لوگ روٹی کھاتے تھے، پھر سولہ سیر ہوا پھر بھی کھاتے رہے، پھر دس سیر ہوا اُس وقت بھی کھاتے رہے، پھر آٹھ سات بلکہ ۶½ سیر تک پہنچ گیا تو اُس وقت بھی کھاتے رہے اور اب تو قیمتوں پر گورنمنٹ نے حد بندی لگا دی ہے ورنہ اگر تین چار سیر بھی بھاؤ ہو جاتا تو بھی ضرور کھاتے اس لئے کہ اسے زندگی کا جُزو سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اخباروں اور رسائل کا خریدنا اور بھی ضروری سمجھا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس دفعہ ضرور احباب توجہ کریں گے اور اخبارات و رسائل کی خریداری کو ضروری سمجھیں گے۔ ''الفضل، فاروق، نور، سن رائز، ریویو اردو انگریزی'' ان سب کی خریداری کی میں سفارش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میری اِس دفعہ کی سفارش کو دوست ضرور قبول کریں گے۔

ان کے علاوہ ایک رسالہ ''الفرقان'' نکلا ہے اس کی تمہید بھی میں نے لکھی ہے جو پیغامیوں کے زہر کے ازالہ کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ اِس کی خریداری کی طرف بھی مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں اور جن نوجوانوں نے یہ جاری کیا ہے ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ میں نے مستقل رسالہ کے طور پر اِس کے اجراء کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ صرف ان اشتہارات کا قائم مقام سمجھنا چاہئے جو پہلے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں اب گویا وہ مہینہ کے بعد ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوتے رہیں گے۔ مستقل رسالہ کے طور پر اسے جاری کرنے کی اجازت مَیں نے نہیں دی اور نہ اسے یہ حیثیت دینی چاہئے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ اگر اسے مستقل حیثیت دی جائے تو پھر اسے خواہ مخواہ اور ضرورت کے بغیر بھی جاری رکھنے کی کوشش کی جائے گی میں نے دیکھا ہے جب لوگ کوئی رسالہ جاری کرتے ہیں تو پھر اس کی ضرورت رہے یا نہ رہے اسے جاری رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس کی ضرورت کے بعد بھی اسے گھسیٹتے چلے جائیں اور اس

طرح وہ ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ میں نے اشتہاروں کے طور پر ہی اس کی اجازت دی ہے۔ مستقل رسالہ کی حیثیت سے نہیں۔

۲۔ لفظ ''اعظم'' کا غلط استعمال

ایک اور رسالہ ایک دوست نے بھیجا ہے۔ میں اس کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مگر کہتے ہوئے ڈرتا بھی ہوں۔ اور ڈرتا اس لئے ہوں کہ یہ ایک نوجوان کا کام ہے اور جیسا کہ کسی نے کہا تھا کہ یہ اس بچہ کا پہلا وار ہے خالی نہ جانا چاہئے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ اس کی دل شکنی نہ ہو اور اس کا ذکر نہ کرنا بھی دل پر گراں گزرتا ہے۔ یہ رسالہ ''ہمارے نغمے'' ہے۔ اس میں شعر اچھے ہیں اور سلسلہ کے متعلق اچھے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ میں خود بھی شعر کو پسند کرتا ہوں مگر جس حد تک وہ جذبات کو صحیح طور پر اُبھارے، خوشامدانہ قصائد کو میری طبیعت پسند نہیں کرتی اور اس سے میری طبیعت اس حد تک متنفر ہے کہ مولوی عبیداللہ صاحب بسمل مرحوم جو فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے اور فارسی کے علم کے لحاظ سے ہندوستان بھر کی اہم ترین شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا وہ ایک بار میرے متعلق ایک طویل قصیدہ لکھ کر لے آئے اور یہاں سٹیج پر اُسے پڑھنے لگے۔ وہ پڑھتے جائیں اور میں اپنے دل میں کہوں کہ مجھ میں تو یہ بات نہیں میں تو ایسا نہیں ہوں۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے کہا کہ مولوی صاحب! آپ جیسے بزرگ آدمی کے لئے یہ بات موزوں نہیں کہ ایسی باتوں میں وقت ضائع کریں۔ ان کو یہ بات بُری لگی کہ میں نے داد دینے کی بجائے جھاڑ ڈال دی اور انہوں نے اُسی دن سے شعر کہنا قریباً ترک کر دیا۔

اِس وقت مَیں جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ بھی اِسی قسم کی ہے۔ یہ غلطی ہمارے ملک میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہے ''الفضل'' میں بھی میں نے بعض اوقات دیکھی ہے۔ اس رسالہ میں حضرت خلیفہ اول کے متعلق بعض اشعار درج ہیں۔ ان میں **حضرت خلیفہ اوّل کی تعریف** کی گئی ہے اور وہ صحیح ہے بلکہ ہم آپ کی تعریف میں اس سے زیادہ کلمات بھی کہہ سکتے ہیں مگر ان اشعار پر ہیڈنگ ''نورالدین اعظم'' لکھا ہے۔ اعظم کے معنے ہیں سب سے بڑا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ''اعظم'' کا خطاب آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا یا کسی پہلی پیشگوئی میں آپ کیلئے یہ خطاب آیا ہے یا کیا آپ نے خود کبھی اپنے آپ کو ''اعظم'' کہا؟ اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ خطاب وہی ہو سکتا ہے جو کسی بالا ہستی کی طرف سے دیا جائے۔ ہمارے لئے بڑی اور بالا ہستی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، آپ سے اوپر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان سے اوپر اللہ تعالیٰ مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاول کو یہ خطاب نہیں دیا۔ ان میں سے کسی کی طرف سے یہ خطاب اگر آپ کو دیا جاتا تو یہ آپ کی تعریف کہلا سکتی تھی مگر یہ تو اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے آپ کو دیا تھا جو پہلے مرتد ہو کر پیغامی ہؤا اور پھر وہاں سے بھی مرتد ہو کر غیر احمدی بنا اس لئے اول تو یہی بہت شرم کی بات ہے کہ ہم آپ کے لئے وہ خطاب استعمال کریں جس کا بانی ایک ایسا شخص ہو جو احمدیت سے مرتد ہو کر مرا۔ پھر اگر تو ''اعظم'' کے معنے یہ ہیں کہ جو اپنے گھر میں بیوی بچوں میں سے سب سے بڑا ہو تو اس طرح تو دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو ''اعظم'' نہ کہلا سکے۔ لیکن ''اعظم'' کا لفظ تو ایک اصطلاح ہے جس کے معنے ایسے شخص کے ہیں جس سے بڑا چند صدیوں میں اس سے پہلے اور پیچھے کوئی نہ ہو۔ مثلاً سکندرِ اعظم کے معنے ہیں کہ چند صدیوں تک اُس کے آباء واجداد اور اُس کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا نہیں ہؤا۔ اسی طرح اکبر اعظم ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ چند صدیوں تک اس کے آباء واجداد اور اولاد میں سے کوئی اس جیسا نہیں ہؤا۔

اب ان معنوں کے لحاظ سے ''نورالدین اعظم'' کے معنے یہ بنتے ہیں کہ گویا آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بڑے تھے اور آئندہ بھی چند صدیوں تک آپ جیسا بڑا کوئی نہ ہوگا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟ میں تو جب حضرت خلیفہ اول کے متعلق یہ لفظ جو ایک مرتد کی طرف سے آپ کا خطاب ہے سنتا ہوں تو سخت تکلیف ہوتی ہے کہ کہنے والے کو اتنا بھی احساس نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے ایک شخص کو اعظم کہہ رہا ہے۔ یہ غلطی سب سے پہلے علامہ شبلی نے کی ہے جنہوں نے حضرت عمرؓ کے متعلق ''فاروق اعظم'' کا لفظ استعمال کیا جو بالکل غلط ہے۔ فاروق، ''اعظم'' کہاں تھا وہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جُوتیوں کا غلام تھا۔ ہمارے ملک میں یہ غلط رواج ہے کوئی شخص اگر طبّ کی ایک دو کتابیں پڑھ کر کسی گاؤں میں عطاری کی دُکان کھول لے تو پھر وہ ارسطوئے زمان سے اِدھر نہیں ٹھہرتا۔ وہ کسی گاؤں میں نیلوفر اور بنفشہ کی دُکان کرے گا مگر قلم اُٹھا کر اپنے آپ کو ارسطوئے زمان حکیم نتھو خان لکھے گا۔ اِس سے نیچے اُترنا وہ جانتا ہی نہیں۔ ذرا کسی نے دو پہلوانوں کو گرا لیا تو پھر وہ رُستمِ زمان سے کم کسی خطاب پر اِکتفاء نہ کرے گا اور یہی وجہ ہے کہ ہر اینٹ اُٹھانے سے رُستم، ارسطو اور اعظم ہمارے مُلک میں نکل آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہؤا ہے کہ بڑے آدمیوں کی تعریفوں کے لئے لوگ اِس سے زیادہ مبالغہ کی ضرورت سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جب ذلیل لوگ ارسطو اور سکندر

بن گئے تو جو فی الواقع بڑے ہیں انہیں کچھ اور بڑھا کر دکھانا چاہئے لیکن یہ طریق غلط ہے۔ جاہل، پاگل ہوں تو ان کا یہی کام ہے عالم پاگل کیوں بنیں اور اپنے بزرگوں کو وہ خطاب دے کر جن کے وہ مستحق نہیں کیوں ان کی اور ان کے بزرگوں کی ہتک کریں۔ جن لوگوں میں حقیقی فضیلت پائی جاتی ہے انہیں جھوٹی فضیلت دینے کی ضرورت ہی کیا۔ چاندی اور پیتل کو ملمع کی ضرورت ہے، سونے کو ملمع کی ضرورت ہی کیا ہے؟

غرض یہ اس اصطلاح کا غلط استعمال ہے اور حضرت خلیفۂ اول کے لئے اس کا استعمال آپ کی ہتک ہے۔ کیا یہ آپ کی تعریف ہے یا وہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آپ اس طرح میری اطاعت کرتے ہیں جس طرح نبض دل کی اطاعت کرتی ہے۔[۲] اور اس سے بہتر تعریف آپ کی کیا ہوسکتی ہے۔

پس ''اعظم'' کے لفظ کے استعمال سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی ہتک ہوتی ہے اور حضرت خلیفۂ اول کی بھی کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ اپنی تعریف کرانے کے لئے ایک مرتد کے خطاب کے محتاج تھے۔ دراصل آپ کی تعریف ''اعظم'' کہلانے میں نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خادم ہونے میں ہے۔ پس آپ کو اعظم کہنا آپ کی ہتک ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ جس چیز میں اپنی عزت سمجھتے تھے۔ اس سے آپ کو باہر کیا جائے اور جسے ذلّت سمجھتے تھے وہ آپ کی طرف منسوب کی جائے۔

۳۔ کتاب ''سیر روحانی''

اس کے بعد میں دوستوں کو کتاب ''سیر روحانی'' کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ یہ وہ تقریر ہے جو میں نے ۱۹۳۸ء کے سالانہ جلسہ پر کی تھی۔ یہ کتاب جلسہ کے دنوں میں نہ چھپی تھی اس لئے دوستوں نے زیادہ توجہ نہ کی یہ کتاب صِرف دو ہزار چھپوائی گئی تھی مگر ابھی سات سَو بِکی ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کافی ہے۔ آج ہی یہاں ۲۳ ہزار افراد کو کھانا تقسیم ہؤا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر بچوں اور عورتوں کو نکال دیا جائے تو بھی کم سے کم بارہ تیرہ ہزار مرد ہوں گے مگر اس کتاب کے دو ہزار میں سے ابھی سات سَو نسخے بِکے ہیں حالانکہ یہ چھوٹی کتاب ہے۔ جو لیکچر سنا جائے اس سے پوری طرح فائدہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اسے دوبارہ پڑھا جائے۔ پھر یہ سلسلہ کا مال تھا اس واسطے بھی اسے خریدنا چاہئے تھا۔ یوں تو دوست شکایت کرتے ہیں کہ تقریریں چھپتی نہیں ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ جب پہلی چھپوائی ہوئی کتاب فروخت نہ ہو تو دوسری کیسے چھپوائی جاسکتی ہے۔ ان کی اشاعت پر سلسلہ کا

روپیہ خرچ ہوتا ہے اور آمد بھی خزانہ میں جاتی ہے لیکن اگر روپیہ خرچ کر دیا جائے اور کتاب فروخت نہ ہو تو یہ نقصان سلسلہ کو پہنچتا ہے۔ جو کتاب چھپتی ہے اگر دوست اسے جلدی جلدی خرید لیں تو پھر اسی روپیہ سے اور بھی چھپ سکتی ہیں مگر جب پہلی ہی پڑی رہے تو اور کس طرح چھاپی جا سکتی ہے۔ یوں تو دوست شکایت کرتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے بعض لیکچر کیوں نہیں چھپتے مگر یہ نہیں سوچتے کہ جب ایک کتاب کی اشاعت پر روپیہ لگایا جائے وہی پھنس جائے اور واپس نہ آئے تو کسی کُتب فروش کو اور چھپوانے کی خواہش کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ پس جو لوگ ان کتب کو خریدتے نہیں وہ گویا علم کے پھیلنے میں روک بنتے ہیں۔

۴۔ ۱۹۴۱ء میں بیعت کرنے والوں کی تعداد

اب میں اس سال کی بیعت کو لیتا ہوں۔ بیعت کی رپورٹ یہ ہے کہ ۲۹۵۸ آدمی ہندوستان میں بیعت میں شامل ہوئے اور ۹۶۷ باہر کے مُلکوں سے گویا۔کُل **۳۹۲۵ اشخاص** بیعت کر کے اس سال داخلِ سلسلہ ہوئے۔ یہ تعداد پچھلے سال کی نسبت ۲۵، ۳۰ فیصدی زیادہ ہے۔ ضلع گورداسپور میں ۱۴۷۷ اصحاب نے بیعت کی۔ پچھلے سال بارہ سَو نے کی تھی۔ اس ضلع کی بیعت کے متعلق جتنی امید تھی اتنی تو یہ نہیں مگر پچھلے سال سے بہرحال زیادہ ہے۔ ضلع سیالکوٹ اس سال بھی ضلع گورداسپور کے علاوہ دیگر اضلاع سے بڑھا رہا ہے اس ضلع میں ۲۰۲/اصحاب نے بیعت کی۔ ضلع شاہ پور سرگودھا میں ۱۴۲ نے۔ ضلع گجرات میں ۱۲۶ نے امرتسر ۱۰۹، لاہور ۸۱، گوجرانوالہ ۵۴، شیخوپورہ ۴۸، لائل پور ۴۷، جالندھر ۴۶، ہوشیار پور ۳۹، جہلم ۳۲، ملتان مظفر گڑھ ۲۰، منٹگمری ۱۹، فیروز پور ۱۷، کیمل پور راولپنڈی ۹، انبالہ ۷، جھنگ ۷، لدھیانہ ۵، کرنال رہتک ۴، میانوالی ۲۔ باقی سب اضلاع بالکل خالی رہے ہیں مگر میرے خیال میں یہ رپورٹ صحیح نہیں۔ آج ہی ایک صاحب حصار کے مجھے ملے تھے اور انہوں نے بتایا تھا کہ وہ ابھی ابھی احمدی ہوئے ہیں۔

صوبوں کے لحاظ سے تقسیم اس طرح ہے۔ بنگال ۱۱۳، یوپی ۱۰۱، بہار اُڑیسہ ۲۱، سرحد ۴۶، سندھ ۲۰، بلوچستان ۳، بمبئی گجرات ۲، برما ۱۵، سیلون ۸، ریاست جنید ۸، کپورتھلہ ۶، مالیر کوٹلہ ۲، حیدر آباد ۲۸۔

بیرونی ممالک میں سے جاوا میں ۵۲۵، گولڈ کوسٹ سیرالیون میں ۳۷۱، امریکہ ۱۸، انگلستان ۲، سماٹرا ۲۴، ماریشس ۲، ملایا ۴، مصر ۹ اور فلسطین ۸۔ پیغامی شور مچاتے رہتے ہیں کہ تبلیغ

ہم کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے سالانہ جلسہ میں اتنے لوگ شریک بھی نہیں ہوتے جتنے خدا تعالیٰ کے فضل سے بیرونی ممالک میں ہر سال ہماری جماعت میں نئے شامل ہو جاتے ہیں۔ جن جماعتوں میں کوئی نیا آدمی شامل نہیں ہوا یا جن کے بیعت کرنے والوں کی تعداد کم ہے انہیں توجہ کرنی چاہئے اور تبلیغ میں بہت کوشش کرنی چاہئے یہ کیا کم عزت ہے کہ اتنے مجمع میں ان جماعتوں کے نام پڑھے جاتے ہیں جو کوشش کر کے نئے افراد کو جماعت میں داخل کرتی ہیں اور اس طرح ہزاروں لوگوں کے دل سے ان کے لئے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر برکتیں نازل کرے۔ پس جو جماعتیں اس سال ان دعاؤں سے محروم رہی ہیں ان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگلے سال ان کا نام بھی آ جائے۔

۵۔ تفسیر القرآن کا کام

اس کے بعد میں تفسیر کے کام کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ کام تمام سال میرے لئے شدت کی بیماری کا سال رہا ہے۔ اپریل میں مجھے پھوڑے کی تکلیف ہوگئی اور وہ اتنی زیادہ تھی کہ بعض دنوں میں تو میں رات کو سو بھی نہیں سکتا تھا۔ اور بعد میں جب وہ مزمن صورت اختیار کر گیا تو دن کے وقت بھی بیٹھ نہ سکتا تھا بلکہ لیٹنا پڑتا تھا اور وہ بھی پہلو پر۔ درد کی تکلیف مزید برآں تھی۔ یہ تکلیف برابر ستمبر کے آخر تک رہی۔ ستمبر کے آخر میں آپریشن کرایا اور اس طرح ایک ماہ پھر لیٹنا پڑا۔ اس کے بعد گو درد وغیرہ تو نہ رہا مگر معلوم نہیں کس وجہ سے سخت ضُعف ہو گیا حتّٰی کہ جلسہ سے ۵، ۶ دن قبل تک یہ حالت تھی کہ میں اچھی طرح چل پھر نہ سکتا تھا۔ چلتا تو قدم لڑکھڑاتے تھے جیسے اسّی پچاسی سال کے بوڑھوں کے لڑکھڑاتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی ۴، ۵ سیڑھیاں ہیں اور مَیں سونٹے کے سہارے اور تکلیف کے بغیر وہ بھی نہ چڑھ سکتا تھا اس لئے نومبر تک تو کوئی کام نہ ہو سکا۔ نومبر کے بعد کام شروع کیا اور اس طرح یہ ناممکن ہو گیا کہ اس سال تفسیر کے کام کو مکمل کیا جا سکے۔ مگر پھر بھی ۲۷۵ صفحات کا مضمون ہو گیا ہے۔ جس میں سے دوسَو سے زائد صفحات چَھپ گئے ہیں۔ کچھ مضمون کاتب کے پاس ہے اور کچھ دفتر والوں کے پاس اور اب مزید کام جلسہ کے بعد ہوگا۔ یہ حصہ پہلی جلد کی نسبت زیادہ تفصیلی ہے۔ پہلی جلد کا آخری حصہ عین جلسہ کے ایام کے قریب مکمل کیا گیا تھا اس لئے بعض مضامین کو مختصر کرنا پڑا اور بعض مضامین کی طرف صرف اشارے کر دیئے گئے۔ کل ہی میں نے ایک آیت دیکھی اس کے متعلق جو مشکلات میرے ذہن میں تھیں مجھے خیال تھا کہ ان کا حل اِس میں کر دیا گیا ہے مگر جب دیکھا تو وہاں ان کا ذکر تک نہ تھا۔ یہ مضمون جو اَب لکھا گیا ہے اور لکھا

جا رہا ہے یہ زیادہ تفصیلی ہے اور اس وجہ سے خیال ہے کہ ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔ اور شاید پہلے دس پاروں کی دو کی بجائے تین جلدیں کرنی پڑیں اور دوسری جلد کو حصہ اول اور حصہ دوم میں تقسیم کرنا پڑے تا کہ تیسری جلد اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ **مجلس شوریٰ تک** پہلی جلد مکمل ہو سکے۔

۶۔ تفسیر کبیر تفسیر کبیر جو چھپوائی گئی تھی وہ ختم ہو چکی ہے بلکہ اب تو ہم بیرونی مشنوں کے لئے بعض جماعتوں سے اس کے نسخے خرید رہے ہیں کچھ حیدر آباد سے خریدے ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے معتد بہ حصہ نے اِس کی اشاعت میں حصہ نہیں لیا۔ اس کی اشاعت میں غیر احمدیوں کا بھی کافی حصہ ہے تین ہزار میں سے پانسو سے کچھ زائد غیر احمدیوں نے خریدی ہے اور باقی اڑھائی ہزار احباب جماعت نے۔ مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے دوستوں نے اس کی اشاعت کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ ہمارے دوسَو سے اوپر طلباء لاہور کے کالجوں میں پڑھتے ہیں انہیں جس طرح کا خرچ ملتا ہے اور جس طرح وہ گزارہ کرتے ہیں وہ مجھے خوب معلوم ہے کیونکہ میرے لڑکے بھی کالج میں پڑھتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک اس قابل تھا کہ ذرا قربانی کر کے تفسیر خرید سکتا۔ اگر لاہور کے کالجوں کے احمدی طلباء ہی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تو دوسَو نسخے خرید سکتے تھے اور اگر پنجاب کے سارے احمدی طلباء توجہ کرتے تو صرف کالج کے طالب علموں میں ہی تین چار سَو نسخے فروخت ہونے چاہئیں تھے اور اگر سکولوں کے سینئر طلباء کو بھی شامل کر لیا جائے تو ایک ہزار نسخے طلباء میں فروخت ہونے چاہئیں تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ جو نوجوان انگریزی علوم اور مغربی فلسفہ پڑھتے ہیں ان کے لئے تو قرآن کریم کا سیکھنا بہت ہی زیادہ ضروری ہے۔ مغرب کے لغو فلسفے کی کتابیں تو عقل کو مار دینے والا زہر ہے اور اس کا تریاق قرآن کریم ہے اور جو لوگ اسے پڑھتے لیکن قرآن کریم سیکھنے سے غفلت کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص زہر تو کھائے مگر تریاق کی طرف توجہ نہ کرے اور جو والدین اپنے بچوں کے لئے تریاق کا انتظام نہیں کرتے وہ بھی سخت غفلت کرتے ہیں۔ کیا عجیب بات ہے کہ دُنیوی کتابوں کا سوال ہو تو وہ سَو سَو روپیہ بھی صَرف کر دیتے ہیں لیکن دین کا سوال ہو تو کہتے ہیں کہ چھ روپیہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ میرے لڑکے کالجوں میں پڑھتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ کالجوں کے طلباء کی کتابوں پر بعض جماعتوں میں سَو سَو روپیہ صَرف ہوتا ہے اور دُنیوی کتابوں پر اتنے روپے خرچ کرنے کے بعد جو لوگ چھ روپیہ

قرآن کریم پر خرچ نہیں کرنا چاہتے تو میں کہوں گا کہ ان کا ایمان ناقص ہے۔ ہر احمدی باپ کا فرض تھا کہ اپنی اولاد کے لئے تفسیر کبیر خریدتا۔ میں نے خود اپنی ہر لڑکی اور ہر لڑکے سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے تفسیر خریدی ہے یا نہیں اور جب تک ان سب نے نہیں خریدی مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے تو خود سب سے پہلے اسے خریدا اور حقِ تصنیف کے طور پر اس کا ایک بھی نسخہ لینا پسند نہیں کیا کیونکہ میں اس پر اپنا کوئی حق نہ سمجھتا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے علم خدا تعالیٰ نے دیا ہے وقت بھی اُسی نے دیا ہے اور اُسی کی توفیق سے مَیں یہ کام کرنے کے قابل ہوا پھر میرا اِس پر کیا حق ہے اور میرے لئے یہی مناسب ہے کہ خود بھی اسے اسی طرح خریدوں جس طرح دوسرے لوگ خریدتے ہیں۔ پس ہر ماں باپ کا فرض تھا کہ اپنی اولاد سے جو اسے پڑھنے کے قابل تھی دریافت کرتا کہ اُس نے اسے خریدا ہے یا نہیں؟ اور جس نے نہ خریدا ہوتا اس پر اظہارِ ناراضگی کرتا کہ تم زہر کھاتے ہو مگر اس کے تریاق سے غافل ہو۔ پھر مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ بعض بڑے بڑے شہروں کی جماعتوں نے بھی اِس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ میں تمام جماعتوں کی خریداری کی فہرست سنا دیتا ہوں اس سے احباب اندازہ کر سکیں گے کہ کِس کِس نے اس کی اشاعت کی طرف توجہ کی ہے۔

ضلع گورداسپور ۶۰۷۔ اس میں سے قادیان میں ۵۷۲ اور باقی ضلع میں ۳۵ فروخت ہوئیں اور یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں۔ قادیان میں ایسے تعلیم یافتہ احمدی مردوں کی تعداد جو اسے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں قریباً ایک ہزار ہے اور تعلیم یافتہ عورت مرد ملا کر ۱۵۰۰ کے قریب ایسے لوگ ہیں جو اسے خرید سکتے تھے مگر انہوں نے خریدی نہیں۔ اور یہ جو تعداد ۵۷۲ ہے یہ بھی ساری قادیان کے دوستوں نے نہیں خریدی بلکہ اس میں اڑھائی تین سَو وہ تعداد ہے جو کمیشن ایجنٹوں نے خرید کر جلسہ سالانہ کے ایام میں فروخت کی۔ اور اس حساب سے قادیان میں تین سَو کے قریب ہی بِکی ہے۔ ضلع گورداسپور میں ۳۵ جلدیں فروخت ہوئی ہیں اور اس ضلع میں تعلیم کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بعض دوسرے ضلعوں کی نسبت سے اچھی تعداد ہے۔ دہلی ۵۲ یہ بہت ہی کم ہے۔ اتنے تو وہاں احمدی ہی ایسے ہوں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوں گے جو خرید سکتے تھے۔ میرے خیال میں کم سے کم ساٹھ ستّر وہاں کے احمدیوں کو لگنی چاہئیں تھیں۔ اور کم سے کم اتنی ہی غیر احمدیوں میں۔ پس میں جماعت دہلی کے کام کو اچھا نہیں سمجھتا۔ امرتسر ۴۶ یہ جماعت عام طور پر غرباء کی جماعت ہے اور گو شہر کے لحاظ سے زیادہ چاہیے لیکن جماعت کی

حالت کے لحاظ سے یہ تعداد ایسی بُری نہیں۔ لائل پور ۱۵ دہلی لائل پور کی نسبت چار پانچ گُنا بڑا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت دہلی نے غفلت کی ہے۔ ملتان ۴۹ شہر اور جماعت کی حالت کے لحاظ سے کام اچھا ہے، شیخوپورہ ۲۰، ڈیرہ غازی خاں ۲۷، سرگودھا ۳۵، گجرات ۳۷، سیالکوٹ ۲۷، سیالکوٹ کی تعداد بہت ہی کم ہے وہاں کی جماعت میں قریباً چھ سَو مرد چندہ دینے والے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں نہ جماعت کے اندر فروخت کی کوشش کی گئی ہے اور نہ باہر۔ ہاں ایک اور آرڈر بھی سیالکوٹ کی طرف سے آیا تھا اور چونکہ وہ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب کی معرفت آیا تھا اس لئے شاید سیالکوٹ کی طرف منسوب نہیں ہو سکا۔ اسے بھی اگر شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد کم نہیں رہتی۔ گوجرانوالہ ۱۹، یہ بھی بہت کم ہے۔ شہر میں وہاں اچھے تعلیم یافتہ احمدی ہیں اور اِرد گِرد بھی اچھے تعلیم یافتہ زمیندار ہیں، جہلم ۸، انبالہ ۷، جالندھر ۳، جھنگ ۷، میانوالی ۴، فیروز پور ۲۰، گوڑگانواں ۸، رُہتک ۱، حصار ۲، ریاست کپورتھلہ ۱، مالیر کوٹلہ ۲، شملہ ۲، جے پور ۳، جودھ پور ۳، حیدرآباد سکندرآباد ۱۴۱، مگر میرا خیال ہے یہ تعداد ۱۰۳ ہے۔ معلوم نہیں دفتر نے کس طرح غلط رپورٹ کی ہے۔ صوبہ سرحد ۷۶، مدراس ۲، بہار ۲۳، بمبئی ۴، یو۔ پی ۱۱، رام پور ۴، سی۔ پی ۱۴، نواں نگر ۱۰۰، لنگروال ۱، بذریعہ چوہدری ظفر اللہ خانصاحب ۵۹۶، برما ۲۴، عراق ۲، فلسطین ۸، جاوا سماٹرا ۴، یہ کُل تعداد ۲۹۰۹ ہے۔ اسے دیکھ کر دوست اندازہ کر سکتے ہیں کہ جماعت نے زیادہ کوشش نہیں کی۔ چاہئے تھا کہ جماعت میں ہی یہ تمام بِک کر کم سے کم ۳، ۴ ہزار کا مطالبہ اَور ہوتا مگر ہوُا یہ کہ قریباً ۲۴۰۰ جماعت میں فروخت ہوئی اور باقی پانچ سَو دوسروں نے لی۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ جماعت ایسی غفلت نہ کرے گی جن جماعتوں نے اب بالکل کوشش نہیں کی وہ آئندہ کوشش کریں گی اور جنہوں نے کوشش کی ہے وہ آئندہ اَور زیادہ کوشش کریں گی۔ جماعت لاہور، دہلی، سیالکوٹ، پشاور، لکھنؤ، بھاگلپور، بنارس، شاہ جہان پور، علی گڑھ، مرادآباد، سہارن پور کی جماعتوں پر بڑی ذمہ داری ہے اور اگر یہ صحیح طور پر کام کریں تو اشاعت بہت ہو سکتی ہے۔ جب اسے چھپوانے لگے تو بعض دوستوں نے کہا تھا کہ پانچ ہزار چھپوانی چاہئے مگر میں نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا کہ پہلے تین ہزار چھپوائی جائے پھر دیکھا جائے گا۔ اب دوسری جِلد بھی تین ہزار ہی چھپوائی جائے گی۔ طبع شُدہ جلد ختم ہو چکی ہے بلکہ ہم نے خود باہر سے خریدی ہیں اور بعض دُکاندار جن کے پاس موجود ہے وہ ۸، ۹ بلکہ دس دس روپیہ میں اسے فروخت کر رہے ہیں۔ اگر دوست توجہ کرتے اور یہ جِلد زیادہ چھپوائی جاسکتی تو لوگوں کی

ضرورتیں آہستہ آہستہ پوری ہوتی رہتیں اور اگر اِس کی اشاعت اچھی طرح کی جاتی تو علمی طبقہ کو سلسلہ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ ہو جاتی۔ یہ تفسیر ایک بہترین تحفہ ہے جو دوست دوست کو دے سکتا ہے۔ ایک بہترین تحفہ ہے جو خاوند بیوی کو اور بیوی خاوند کو دے سکتی ہے، باپ بیٹے کو دے سکتا ہے، بھائی بہن کو دے سکتا ہے، یہ بہترین جہیز ہے جو لڑکیوں کو دیا جا سکتا ہے۔ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اب اتنی ہے کہ قریباً دو ہزار شادیاں سال میں ہوتی ہیں۔ اور ہر شادی پر لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دو سَو، چار سَو، پانسو، ہزار، دو ہزار روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ کپڑے اور زیور بناتے ہیں لیکن اگر تفسیر کو بھی شادی کے موقع پر دیا جاتا تو یہ سب سے بہتر تحفہ، بہتر جہیز اور بہتر بَری ہوتی۔ کپڑے پھٹ جاتے ہیں، زیور گھس جاتے یا گُم ہو جاتے ہیں مگر قرآن کریم کی تفسیر ایسا تحفہ، ایسا جہیز اور ایسی بَری تھی جو ہمیشہ کام آنے والی ہے اور اِس طرح قریباً تین چار ہزار جِلدیں صرف اس طرح لگ سکتی تھیں مگر افسوس ہے کہ دوستوں نے اس طرف توجہ نہیں کی اور اس کی اشاعت کے لئے وہ کوشش نہیں کی جو چاہئے تھی اور مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسی کوتاہی نہ کی جائی گی۔

۷۔ انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن

اب میں انگریزی ترجمہ وتفسیر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ترجمہ وتفسیر خدا تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہو چکے ہیں اور اب ان کے چھپوانے کا سوال ہے۔ ہم غور کر رہے ہیں کہ اسے ابھی چھپوائیں یا نہیں۔ کاغذ بے حد گراں ہے بلکہ اس کا ملنا مشکل ہو رہا ہے قیمت اب قریباً چار گُنا زیادہ ہوگئی ہے۔ جو کاغذ پہلے پانچ روپے رِم ملتا تھا وہ اب بیس روپیہ میں ملتا ہے۔ اگر اب اسے چھاپا جائے اور اس کا حجم مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر سے دُگنا بھی ہو تو چونکہ ان کی تفسیر کی قیمت پچیس روپے ہوا کرتی تھی۔ کاغذ کی گرانی کی وجہ سے اس کی قیمت پچاس ساٹھ روپیہ سے کم نہ رکھی جا سکے گی اور یہ اتنی زیادہ قیمت ہے کہ اس پر تفسیر خریدنا بُہتوں کے لئے مشکل ہوگا۔ پھر اِس وقت انگلستان میں چھپوانے کے لئے کسی کا وہاں جانا بھی مشکل ہے اور اگر ہندوستان میں چھپوایا جائے تو یہاں کا چھپا ہوا یورپ میں بِک نہیں سکتا۔ تجربہ کار لوگ صرف کتاب کی شکل دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ ہندوستان کی چھپی ہوئی کتاب ہے اور اسے خریدنا پسند نہیں کرتے کیونکہ ہندوستان کی چھپوائی بہت ادنیٰ ہوتی ہے۔ پس یہ کام تو مکمل ہو چکا ہے مگر اس کی طباعت کی راہ میں یہ دقتیں ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس سال مجلس شوریٰ کے موقع پر اس سوال کو پیش کیا جائے کہ آیا اسے ان حالات میں

چھپوایا جائے یا جنگ کے اختتام تک انتظار کیا جائے۔

۸۔ تفسیر کبیر کی مخالفت

تفسیر کبیر کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت اچھا ہے اور بعض لوگ اس سے گہرے طور پر متأثر ہوئے ہیں اور سب سے بڑی چیز تو یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہو چکی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دشمن نے اس کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ حضرت خلیفۂ اول ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ نے ایک کام بڑی نیک نیتی کے ساتھ کیا اور وہ اس پر بہت خوش تھے کہ اس کی توفیق ملی مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ سے ملے اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے میری نیت میں ضرور کوئی خرابی تھی کیونکہ میرا یہ کام خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ آپ کی تحریک تو کامیاب ہوئی ہے بہت سے لوگ ممبر بھی ہو گئے ہیں چندہ بھی آنے لگا ہے پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ مقبول نہیں ہوا۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے ہاں کسی نیک کام کی قبولیت کا ثبوت یہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس میں مدد کرنے لگیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول عمل وہ ہوتا ہے جس کی لوگ مخالفت کریں اور چونکہ میرے اِس کام کی مخالفت کسی نے نہیں کی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوا اور اس پر وہ بہت افسردہ تھے مگر کچھ دنوں کے بعد ملے تو بہت خوش تھے چہرہ بشاش تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو جیب سے ایک خط نکال کر دکھایا کہ دیکھو یہ گالیوں کا خط آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا مقابلہ شیطان ضرور کرتا ہے اور اس کے کام کے لئے جو آدمی مقرر ہوتے ہیں وہ خواہ علماء سے ہوں یا رؤساء میں سے اور خواہ عام لوگوں میں سے وہ ضرور اپنا کام کرتے ہیں چنانچہ اس تفسیر پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی اعتراض کئے ہیں اور بہت غصہ کا اظہار کیا ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے تفسیر بالرائے لکھی ہے اور پھر اس کے جواب کی ضرورت اِس قدر محسوس کی ہے کہ لکھا ہے کہ میں تفسیر کے مکمل ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا کیونکہ ممکن ہے اُس وقت تک مر ہی جاؤں اس لئے ابھی سے اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ایک رسالہ چند اعتراضات پر مبنی شائع بھی کیا ہے۔ پیغامیوں کی طرف سے بھی اِس کی مخالفت شروع ہے اور ایک پیغامی مبلغ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ میں اپنی عاقبت کی درستی کے لئے اِس تفسیر کا جواب لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ دشمن کو یہ تفسیر بہت چُبھی ہے خصوصاً پیغامی صاحبان کے لئے تو یہ بے حد تکلیف اور اذیت کا موجب ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے تفسیر کو خاص طور پر جلبِ زر کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ جب ضرورت ہوتی تحریک شروع کر دیتے کہ

فلاں جگہ اتنی جِلدوں کی ضرورت ہے، فلاں ملک میں ایک ہزار جِلد بھجوائی جانی چاہئے اور اس طرح فروخت کرکے اس میں سے اپنا حصہ حاصل کر لیتے ہیں اس لئے ان کو خاص طور پر دکھ ہؤا ہے یہ نبوت وغیرہ کے مسائل اور تقریریں کرنے کے جو سوال اُٹھائے جا رہے ہیں یہ دراصل تفسیر ہی کی جلن کا اظہار ہے۔ حال ہی میں مجھے ایک دوست نے لکھا ہے کہ ان کے ایک مصنف نے اپنی انجمن کو لکھا ہے کہ اب کمیشن کی آمد بہت کم ہوگئی ہے اس لئے یا تو ۱/۲ ۴ سو روپیہ ماہوار رقم کا انتظام کیا جائے اور یا پھر اتنی رقم مجھے قرض ہی دے دی جایا کرے گویا ان کی آمد پر اس کا اثر پڑا ہے اور اِس وجہ سے وہ چیخ اُٹھے ہیں۔ یہ مقابلہ جو اَب ان کی طرف سے شروع ہؤا ہے یہ دراصل تفسیر کا ہے نبوت وغیرہ کا نہیں۔ بہرحال ان گالیوں سے ہم ناراض نہیں ہیں کیونکہ دراصل یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ کام خدا تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر کو شائع ہوئے بہت عرصہ ہو چکا اور ہماری جماعت کے دوست بھی حسبِ ضرورت اسے خریدتے رہے ہیں۔ کئی دفعہ بعض علاقوں کے احمدیوں نے مجھ سے پوچھا کہ کونسی انگریزی تفسیر خریدیں؟ تو میں نے ان کو کہا کہ سرِدست مولوی صاحب کی تفسیر خرید لیں۔ لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ ابھی ایک ہی جلد شائع ہوئی ہے اور وہ مخالفت پر کھڑے ہو گئے ہیں۔

۹۔ مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے مخالفت

اسی جوش میں **مولوی محمد علی صاحب** نے لکھا کہ میں اپنی جماعت کو ان کے خیالات سننے سے روکتا ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ میں بیس سال پہلے یہ جواب دے چکا ہوں کہ میں کسی کو ان کے یا کسی اور کے خیالات سننے سے نہیں روکتا۔ جب شیخ مصری کا فتنہ شروع ہؤا تو اُس وقت بھی میں نے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا کہ کسی کو ان کے اشتہارات وغیرہ پڑھنے سے روکنے کی ضرورت نہیں جو پڑھتا ہے اسے پڑھنے دو۔ ہماری جماعت کے لوگ کوئی بچے ہیں جو ہم اُنہیں اُنگلیوں سے لگائے پھریں؟ اور پھر ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ ہماری جماعت کے دوست ان کے خیالات سے ناواقف ہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ لاہور کا ایک اٹھارہ سالہ نوجوان ان کے ایسے اچھے جواب لکھ رہا ہے وہ پڑھتا ہی ہے تو جواب لکھتا ہے ورنہ کیسے لکھ سکتا۔ اسی طرح اور دوست بھی پڑھتے ہیں ان کی طرف سے ایسی باتیں محض ہماری توجہ کو دوسری طرف پھیرنے کا بہانہ ہے وہ بار بار کہتے ہیں کہ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو ان کی باتیں سننے سے روکتا ہوں کل کی رپورٹ کے مطابق یہاں ۲۳ ہزار مہمان آئے ہوئے ہیں اِس وقت اس سے زیادہ ہوں

گے کیونکہ بہت سے دیہات سے بھی آ جاتے ہیں، عورتیں ان سے علاوہ ہیں۔ کُل عورت مرد ملا کر تیس ہزار کے قریب مجمع ہوگا۔ کیا ان میں سے کوئی ایک بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے ظاہر میں یا باطن میں کُھلے لفظوں یا اشارہ میں اسے پیغامیوں کا لٹریچر پڑھنے سے روکا ہو؟ (ہر طرف سے آوازیں آئیں کہ ہرگز نہیں) یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے جو مولوی محمد علی صاحب نے بولا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کے غلط ہونے کا ہر ایک شخص کو پتہ ہے۔ میری تقریریں اور خطبے سب شائع ہوتے ہیں کیا ان میں سے کوئی ایسا فقرہ پیش کیا جا سکتا ہے جس میں مَیں نے پیغامیوں کا لٹریچر نہ پڑھنے کی ہدایت کی ہو۔ میں تو اپنے بیوی بچوں تک کو بائیبل وغیرہ دوسرے مذاہب کی کتب پڑھنے کے لئے دیتا ہوں پھر میں ان کا لٹریچر پڑھنے سے کیسے روک سکتا ہوں۔ مخالف کا لٹریچر پڑھنے سے جبکہ ایسا کرنے میں کوئی لغو یا فضول بات نہ ہو تو وہی روک سکتا ہے جو دوسرے کے دلائل سے خائف ہو۔ اور جو مذہب دوسرے کے دلائل سے ڈرتا ہو وہ کیسا مذہب ہے اور وہ کس طرح سچا ہو سکتا ہے؟ ہم تو خدا تعالیٰ کے فضل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں اور کونے کا ایسا پتھر ہیں کہ جو ہم پر گرے وہ بھی چکنا چُور ہو جائے گا اور جس پر ہم گریں گے وہ بھی چکنا چُور ہو جائے گا۔ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ طاقت دی ہے کہ جو ہمیں اپنی باتیں سنانے آئے گا وہ بھی ہمارا شکار ہو جائے گا اور جسے ہم اپنی سنائیں گے وہ بھی ہمارا شکار ہو گا۔ پس یہ الزام بالکل غلط ہے کہ پیغامیوں کا لٹریچر پڑھنے سے کسی کو روکا ہو میں نے کبھی کسی کو نہیں روکا اور اب پھر اس اعلان کو دُہراتا ہوں کہ ہر شخص آزاد ہے جو کوئی ان کا لٹریچر پڑھنا چاہے بے شک پڑھے بلکہ اگر اسے صداقت نظر آئے تو اسے قبول کرے اور اس صورت میں اس کا فرض ہے کہ قبول کرے۔ سچائی ہی ہے جو انسان کی نجات کا موجب ہوسکتی ہے۔ قیامت کے دن میں کسی کے کام نہ آسکوں گا۔ اگر دین کے معاملہ میں کوئی شخص میری خاطر صداقت کو چھوڑتا ہے تو سخت غلطی کرتا ہے۔

پس میں یہ کہہ کر بَری ہوتا ہوں کہ جسے جہاں صداقت نظر آئے اسے قبول کرے اور اگر سب لوگ بھی مجھ سے الگ ہو جائیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اگر جو میں کہتا ہوں وہ سچ نہیں تو چاہے مجھ سے اختلاف کرنا پڑے سب کا فرض ہے کہ سچ کو قبول کریں اور یہ کہہ کر میں خدا تعالیٰ کے حضور بَری ہوتا ہوں۔ مجھے انسانوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی تو کسی نے کہا کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ میرے کان میں یہ بات پڑی میری عمر اُس

وقت صرف انیس برس تھی۔ میں سیدھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لاش کے سرہانے پہنچا اور وہاں کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ سے اقرار کیا کہ اگر ساری جماعت بھی احمدیت کو چھوڑ جائے تو بھی میں اکیلا دنیا میں اس کی اشاعت کروں گا اور اس کام کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ پس مجھے انسانوں کی کوئی پرواہ نہیں جب میں خلیفہ ہؤا اور یہ لوگ قادیان کو چھوڑ کر چلے گئے اُس وقت خزانہ میں صرف اٹھارہ روپے تھے اور یہ حالت تھی کہ اشتہار تک چھاپنے کے لئے پیسے نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے حضرت میر ناصر نواب صاحب کی انہوں نے دارالضعفاء کے لئے چندہ جمع کیا ہؤا تھا، جب انہیں معلوم ہؤا کہ خزانہ خالی ہے اور اشتہارات چھاپنے کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں تو وہ پانسو روپیہ لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ یہ بطور قرض لے لیں اور کام شروع کریں۔ جب خدا تعالیٰ بھیجے گا تو واپس کر دیں تو یہ حالت تھی جب یہ لوگ چھوڑ کر گئے ہیں مگر آج خدا تعالیٰ کے فضل سے وہی حالت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شعر میں اپنی بیان کی ہے فرمایا:-

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ كَانَ اُكُلِیْ
وَصِرْتُ الْيُوْمَ مِطْعَامَ الْاَهَالِیْ [۳]

یعنی ایک زمانہ تھا کہ میں دستر خوان کے بچے ہوئے ٹکڑوں پر گزارہ کرتا تھا مگر آج خدا تعالیٰ خاندانوں کے خاندان میرے ذریعہ پال رہا ہے۔

یہی حالت آج خدا کے فضل سے ہماری ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے پاس اشتہار کے لئے بھی پیسے نہ تھے خزانہ میں صرف ۱۸ روپے تھے اور ہزاروں روپیہ کا قرض تھا۔ مگر آج سینکڑوں خاندانوں کی پرورش اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ لوگ مجھے دیئے اور ایسے ایسے لوگ میری بیعت میں داخل کئے کہ اس زمانہ میں اس کی مثال اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ پھر میں کس طرح سمجھ سکتا ہوں کہ میری جماعت کے لوگوں کا مولوی محمد علی صاحب کی تقریر سننا میرے لئے خطرہ کا موجب ہوگا۔ مجھے کوئی ایسی مثال معلوم نہیں کہ کسی کے آباء اس کی بیعت میں شامل ہوئے ہوں مگر میری والدہ، نانا، بڑے بھائی، ماموں سب نے میری بیعت کی ہے۔ پھر اُستادوں نے کی، میرے وہ اُستاد جن سے میں قرآن کریم، حدیث، انگریزی، عربی پڑھتا رہا ہوں وہ میری بیعت میں شامل ہوئے اور یہ کسی انسان کا کام نہیں مجھ میں یہ ہمت کہاں تھی کہ میں ان سب کو اپنا مرید کر سکتا اور میں یہ کب جُرأت کر سکتا تھا کہ دنیا کے سامنے کھڑا ہوں جب کہ نہ میری کوئی تعلیم تھی اور نہ لیاقت۔ جب میں پڑھتا تھا تو استاد اور

طالب علم سب ہنسی اُڑاتے تھے کہ یہ پڑھائی میں نہایت کمزور ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو میری بیعت میں شامل کر دیا۔ پھر جب میں خلیفہ ہؤا تو سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے میرے سارے ہی آباء زندہ تھے۔ یعنی والدہ، نانا، نانی، ماموں، خُسر، تائی، بڑے بھائی اور ان سب کو اللہ تعالیٰ نے میری بیعت میں شامل کر دیا۔ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کو بعض لوگ تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ جب ان کی سمجھ میں بات آ گئی تو انہوں نے کہا کہ اب اور تو کوئی روک نہیں صرف شرم آتی ہے کہ چھوٹے بھائی کی بیعت کروں اور چھوٹے بھائی کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں تو لاہور والوں کی جماعت میں ہی شامل ہو جائیں۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں وہاں تو میں شامل نہیں ہوتا یہ کڑوا گھونٹ پی لوں گا۔ آخر وہ بیعت پر آمادہ ہوئے اب بتاؤ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کے اتنے فضل ہوں۔ وہ کسی انسان سے کب ڈر سکتا ہے۔ پیغامی کہتے ہیں کہ رُعب میں آ گئے مگر یہ نہیں سوچتے کہ کون رُعب میں آ گیا اور کس کے رُعب میں آ گیا۔ ماں، نانا، نانی، ماموں، خسر استاد سب رُعب میں آ گئے۔ کیا والدہ ڈرتی تھیں کہ میرا بیٹا ہے اگر میں نے بیعت نہ کی تو پتہ نہیں کیا کرے گا؟ کیا نانا نانی اپنے نواسے سے ڈرتے تھے؟ کیا استاد رُعب میں آ گئے کہ ہمارا شاگرد ہے معلوم نہیں کس کس رنگ میں ہمارے علم کی پردہ دری کرے؟ آخر سوچنا چاہئے کہ یہ سب کس طرح میرے رُعب میں آ سکتے تھے اور مجھ سے ڈرنے کی وجہ کیا ہو سکتی تھی۔ اگر ان حالات میں بھی میرا کوئی رُعب تھا تو پھر وہی بات تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے آگ کی چنگاری دیکھی۔ وہ بظاہر تو آگ نظر آتی تھی مگر جس نے اس کی طرف آنکھ اُٹھائی اس میں خدا کا جلوہ اُسے نظر آیا اور وہ وہیں گھائل ہو گیا۔ دیکھو میں نے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کتنی کوشش کی۔ انہوں نے لکھا کہ میں ان کا مضمون ''الفضل'' میں شائع کرا دوں اور وہ میرا مضمون ''پیغامِ صلح'' میں شائع کرا دیں گے اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ وہ میرا جواب کبھی اپنے اخبار میں شائع نہ کریں گے لیکن میں نے ان کا مضمون ''الفضل'' میں شائع کرا دیا۔ پھر میں نے ان کو یہ دعوت بھی دے دی کہ جلسہ سالانہ کے سِوا عام دنوں میں وہ یہاں آ کر تقریریں کر لیں۔ میں مقامی دوستوں کو جمع کر دوں گا اور باہر بھی یہ اعلان کرا دوں گا کہ جو دوست آ سکیں آ جائیں۔ مگر انہوں نے اصرار شروع کر دیا کہ انہیں جلسہ سالانہ کے موقع پر تقریریں کرنے دی جائیں۔ مضامین کے شائع ہونے کے متعلق اس خیال سے کہ لمبے مضامین کا اخبارات میں شائع کرنا شاید نامناسب ہو میں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ میرے اور ان کے مضامین اکٹھے شائع ہو جائیں اور لکھا کہ دو حصے

خرچ کے مَیں دے دوں گا اور ایک حصہ وہ دے دیں اور پھر خرچ کے مطابق کتابیں بانٹ لیں لیکن اس کو بھی انہوں نے قبول نہ کیا اور عُذر یہ کیا کہ اخبارات میں اس قدر لمبے مضامین شائع نہیں ہو سکتے حالانکہ میری دوسری تجویز کتابی صورت میں شائع کرنے کی موجود تھی اگر سچ کا اظہار مقصود ہو تو پھر مضمون کے لمبا اور چھوٹا ہونے کا سوال ہی کیا ہے۔ جب میں نے خرچ دو حصے دینا ہے تو کیا میں پاگل ہوں کہ خواہ مخواہ طُول دوں اور بِلا ضرورت مضمون کو لمبا کروں اور اس طرح اپنا خرچ زیادہ کراؤں۔ وہ کہتے ہیں مضامین کے الفاظ کی تعداد معیّن ہونی چاہئے۔ لیکن اگر اتنے الفاظ کے استعمال سے صداقت پوری طرح ظاہر نہ ہو سکے تو پھر فائدہ کیا؟ مقصد تو صداقت کا اظہار کرنا ہے۔ وہ بھی جتنے صفحات چاہیں لکھیں خواہ پچاس ہزار لکھیں اور میں بھی جتنے ضروری سمجھوں لکھوں ان کو کیا ڈر ہے اگر میرا مضمون زیادہ لمبا ہو گا تو وقت اور روپیہ کا خرچ بھی تو میرا ہی بڑھے گا کیونکہ میں نے دو حصے دینے ہیں اور انہوں نے ایک۔ میں نے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ان کو دعوت دی تھی کہ قادیان میں آ کر لیکچر دے لیں مگر ان کا اصرار ہے کہ جلسہ کے دنوں میں ان کو موقع دیا جائے حالانکہ جلسہ کے موقع پر جو لوگ یہاں آتے ہیں وہ ان کی تقریریں سننے کے لئے اتنا خرچ نہیں کرتے۔ اس سال جلسہ پر آنے میں بہت سی مجبوریاں تھیں مگر پھر بھی سوائے آخری کونوں کی تھوڑی تھوڑی جگہ کے سب جلسہ گاہ بھری ہوئی ہے۔ حالانکہ اسے ۱/۲ ۴ فٹ بڑھایا گیا تھا۔ جوبلی کے موقع پر اسے بہت بڑھا دیا گیا تھا اور امید تھی کہ شاید یہ بہت دیر تک کافی ہو گی مگر اس سال پھر بڑھائی گئی اور آج آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ بھی سوائے کِناروں پر چند فٹ جگہ کے سب بھری ہوئی ہے۔ پس اتنی کثیر تعداد میں اتنا خرچ کر کے اور تکلیف اُٹھا کر جو لوگ یہاں آئے ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں مولوی محمد علی صاحب کو خوش کرنے کے لئے ان سب کو ان کے مقاصد سے محروم کر دیتا۔ تاہم میں نے کہہ دیا کہ اگر وہ جلسہ پر ہی تقریر کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کی خاطر جلسے کے دو دن بڑھا دیں گے مگر یہ چونکہ ان کی خاطر بڑھائے جائیں گے۔ اس لئے ان دو دِنوں کا خرچ وہ دے دیں مگر وہ یہ بھی نہیں مانتے۔ غرض جس رنگ میں بھی ان کے ساتھ انصاف سے سلوک کیا جا سکتا تھا میں نے کر دیا اور آج پھر اس بات کو واضح کرنے کے لئے میں اسے جماعت کے سامنے پیش کرتا ہوں **اگر آپ لوگ جلسہ کے موقع پر ان کی تقریریں سننا چاہتے ہیں تو بتا دیں میں کَل کا دن انہیں دے سکتا ہوں اور ابھی تار دے کر ان کو بُلا لیتا ہوں (اس پر سب احباب نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم ان کی کوئی بات**

نہیں سننا چاہتے۔)

اور اگر جماعت سننا نہیں چاہتی تو ہم نے کونسا ان کا قرض دینا ہے کہ ان کو ضرور موقع دیں۔ اور اس طرح سال میں تین دن قادیان میں گزارنے اور میری اور سلسلہ کے علماء کی تقریریں سننے کا جو موقع دوستوں کو ملتا ہے وہ انکی نذر کر دیں۔

مولوی محمد علی صاحب ہم سے تو یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ان کو تقریریں کرنے کا موقع دیں لیکن اپنی وُسعتِ قلبی کا یہ حال ہے کہ جب ''الفضل'' میں میرا مضمون ان کے مضمون کے جواب میں شائع ہوا تو میں ڈلہوزی میں تھا۔ میں نے ''الفضل'' کا وہ پرچہ دے کر عزیزم خلیل احمد صاحب ناصر بی۔اے اور ایک نوجوان کو بھیجا کہ جا کر مولوی صاحب کے لڑکے کو دے آئیں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ میرا خیال ہے کہ وہ نہیں لے گا۔ وہ لے کر گئے تو اس نے پرچہ لینے سے انکار کر دیا تو اپنے بیٹے کے اخلاق تو یہ ہیں کہ اخبار کا پرچہ تک لینے سے انکار کر دیا مگر خود شور مچا رہے ہیں کہ میں ان کے خیالات سننے سے اپنی جماعت کے لوگوں کو روکتا ہوں۔

ایک اور بداخلاقی مولوی صاحب نے یہ دکھائی ہے کہ قادیان کی جماعت کے متعلق لکھا ہے کہ میں اپنے خیالات ان کو تو سنانا نہیں چاہتا بلکہ باہر کے لوگوں کو سنانا چاہتا ہوں اور لکھا ہے:-

''ان کی جماعت وہ تو نہیں جو قادیان میں ہے۔ وہ تو ان کے ملازمین اور ایسے لوگ ہیں جن کی ضروریات ان سے وابستہ ہیں۔ جماعت تو وہ چیز ہے جو اس سلسلہ کو قائم رکھنے والی ہے بیرونی لوگ جو جلسہ پر آتے ہیں اصلی جماعت وہ ہیں۔''

یہ وہی چالاکی ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کو باہم لڑانے کے لئے منافقین کیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے سمجھا کہ یہ جماعت بیوقوف ہے۔ جب میں کہوں گا کہ قادیان کی جماعت تو اصل جماعت نہیں تو باہر والے خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ مولوی صاحب نے ہماری تو تعریف کر دی ہے لیکن انہیں پتہ نہیں کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس دھوکے میں آنے والی نہیں اور ہمارے دوست انہیں خوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

یعنی تم خواہ کسی قسم کا لباس پہن کر آؤ میں چال سے اور قد کے اندازے سے سمجھ جاتا ہوں

کہ کون ہو۔ جماعت کو دھوکا لگنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر دیکھو کہ مولوی صاحب کے الفاظ کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے منافقین سے ملتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کے الفاظ قرآن کریم نے نقل کئے ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا۔[۴] یعنی اے انصار! اصل جماعت تو تم ہو۔ تم ان مہاجرین پر روپیہ خرچ کرنا بند کر دو پھر دیکھو یہ کس طرح بھاگ جاتے ہیں۔ یہ تو اصل جماعت نہیں یہ تو صرف روٹیاں کھانے والے لوگ ہیں۔ تو مولوی محمد علی صاحب کے یہ الفاظ بعینہٖ اس آیت کا ترجمہ ہیں۔ مولوی صاحب کے یہ الفاظ جب شائع ہوئے تو یہاں کے لوگوں نے ان کے خلاف احتجاج کے لئے جلسہ کرنا چاہا اور مجھ سے اس کے لئے اجازت طلب کی مگر میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ یہ حملہ تم پر ہؤا ہے پس یہ بات وقار کے خلاف ہے کہ تم ہی اس کا جواب بھی دو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤمن بھائی بھائی ہوتے ہیں جب ایک پر حملہ ہو تو دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔[۵] اِس وقت باہر کی جماعتوں کے اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کو جواب دیں اور تم چپ رہو۔ ہاں جب ان پر حملہ ہو تو اس وقت تمہارا فرض ہے کہ جواب دو۔ مجھ پر مصری پارٹی نے اعتراض کئے تھے بعض لوگوں نے مجھے کہا بھی کہ آپ ان کا تفصیلی جواب دیں مگر میں نے کہا یہ بات وقار کے خلاف ہے کہ میں خود ہر امر کا جواب دوں۔ بعض اعتراضات ایسے ہیں کہ ان کا جواب ان کے ذمہ ہے جو مجھ سے عقیدت رکھتے ہیں میرا کام نہیں۔ اسی طرح اس موقع پر میں نے یہاں کے دوستوں کو خود جواب دینے سے روکا اور کہا کہ یہ باہر کی جماعتوں کا کام ہے کہ اس اعتراض کا جواب دیں۔ چنانچہ باہر کی بعض جماعتوں نے اِس کا جواب دیا اور ریزولیوشن پاس کر کے قادیان کی جماعت کی فضیلت کا اقرار کیا۔ اس سلسلہ میں انبالہ کی جماعت اول نمبر پر آئی۔ اس نے سب سے پہلے اپنے فرض کو محسوس کیا اور تار دیا کہ وہ مولوی صاحب کے اس حملہ کو بُری نظر سے دیکھتے اور اس کی مذمت کرتے ہیں مجوکہ کے ایک دوست کا بھی جواب ''الفضل'' میں شائع ہؤا ہے اور اس نے حقیقی مؤمنانہ جذبہ دکھایا اور نہایت معقول رنگ میں جواب دیا ہے۔ اس نے لکھا کہ:-

''مولوی محمد علی صاحب اِس بات پر مصر ہیں کہ میں باہر کی جماعتوں کو اپنی تقریر سنانا چاہتا ہوں۔ ان کے دل میں یہ وہم ہے کہ باہر کے لوگ چونکہ عموماً ناخواندہ ہوتے ہیں اس لئے ممکن ہے قادیانی جماعت کا ساتھ چھوڑ دیں۔ مگر مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں موضع مجوکہ ضلع سرگودھا کا رہنے والا ہوں اس علاقہ کی جماعتیں آپ کے عقیدہ سے خوب

واقف ہیں۔ میں ان جماعتوں کے متعلق قَسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہونے لگے تو بھی وہ ہرگز ہرگز حضرت امیر المؤمنین کا پاک دامن چھوڑنے والی نہیں۔''

یہ جواب ہے تو بہت سادہ مگر ایمان کا نہایت عمدہ مظاہرہ ہے۔

۱۰۔ جنگ کے متعلق کچھ

اِس کے بعد میں جنگ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جیسا کہ میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں یہ جنگ نہایت خطرناک ہے اور ہماری تبلیغ پر بھی اِس کا خطرناک اثر پڑنے والا ہے۔ جنگ سے پہلے ہمارے مبلّغ آزادانہ طور پر ہر جگہ آ جا سکتے تھے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، انگلستان، جاپان، چین، جاوا، سماٹرا، مصر، گولڈکوسٹ، سیرالیون غرضیکہ ہر ملک میں جانے کی آزادی تھی اور وہ بِلا روک ٹوک ہر ملک میں آ جا سکتے تھے۔ مگر جنگ کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ اب مبلغین کی آمد و رفت میں رُکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ اول تو پاسپورٹ ہی نہیں ملتا، پھر جہاز نہیں ملتے، بلکہ خطرناک حالات کی وجہ سے ہمیں بعض جگہوں سے اپنے پہلے مبلّغ بھی ہٹانے پڑے ہیں۔ چین کی حکومت نے تو ہمارے مبلّغ کو نکال ہی دیا تھا، جاپان سے بھی واپس بُلانا پڑا، مولوی محمد دین صاحب کو بھی واپس آنا پڑا، اٹلی کے مبلّغ کو گو ہم تو فارغ کر چکے تھے، مگر وہ ابھی واپس نہ آیا تھا کہ اٹلی جنگ میں شریک ہو گیا اور اب وہ وہاں قید ہے۔ مولوی عبدالغفور صاحب اور محمد اسحاق صاحب کو بھی واپس آنا پڑا۔ باقی جو ممالک ہیں ان میں اپنے مبلغین کو ہم کوئی مدد نہیں بھیج سکتے اور ایک تبلیغی جماعت کے لئے یہ صورت جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے اس لئے ہر احمدی کو پورے جوش اور درد سے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس جنگ کو جلد بند کرے تا ہمارے لئے تبلیغ کے رستے کُھل جائیں۔

اِس وقت جو مبلّغ باہر موجود ہیں ان کی طرف سے خطوط بھی بہت دیر میں مل سکتے ہیں۔ چار چار، پانچ پانچ ماہ بعد خط ملتا ہے اور ہوائی ڈاک کے خطوط بعض اوقات دو دو ماہ بعد ملتے ہیں۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس نے ہوائی ڈاک میں خط بھیجا جو دو ماہ بعد مجھے ملا۔ دوسری ڈاک کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بعض اوقات چھ چھ سات سات ماہ بعد ملتے ہیں۔ اور اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر خدانخواستہ ان میں سے کسی پر کوئی مصیبت آئے تو نہ ہم کو ان کی خبر مل سکتی ہے اور نہ انہیں ہماری۔ پھر یہ بھی کوئی کم نقصان نہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ جو مکمل ہو چکا ہے اس جنگ کی وجہ سے اب ہم اسے چھپوا نہیں سکتے۔ البتہ فائدہ کا ایک پہلو یہ مجھے نظر آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ

موقع دے اور رستہ مل جائے تو میرا ارادہ ہے کہ شمس صاحب کو اس کی ایک کاپی بھیج دوں۔ اِس وقت مختلف ممالک سے بھاگے ہوئے ہزاروں لوگ لنڈن میں پناہ گزین ہیں اور ان میں بعض بڑے بڑے قابل لوگ بھی ہیں۔ شاعر ہیں، ادیب ہیں، ایڈیٹر ہیں، اور وہ تھوڑے تھوڑے گزارے لے کر بعض چھوٹے چھوٹے کام بھی بسرِ اوقات کے لئے کر رہے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر ہو سکے تو ان ایام میں یورپ کی مختلف زبانوں مثلاً جرمنی، فرانسیسی، اطالوی وغیرہ میں بھی ترجمہ کرا لیا جائے تو جنگ کے اختتام پر چھپ سکتا ہے۔ اِس وقت قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت میں روک پیدا ہو جانا کتنا بڑا نقصان ہے۔ جو شخص اس کام کی اہمیت کو سمجھتا ہے وہ بخوبی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ خود مجھ پر یہ بہت بڑا بوجھ ہے اور سخت گراں گزر رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ایک سکیم بنائی تھی اور سالہا سال کی محنت کے بعد یہ کام ختم ہوا اور اب اگر میں (خدانخواستہ) مر جاؤں تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ جس عمارت کی بنیاد مَیں نے رکھی اور اس کی دیواریں کھڑی کیں اسے چھت تک نہ پہنچا سکا۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ جنگ اب ہندوستان کے کناروں تک آ گئی ہے۔ پہلے تو جرمن مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے وہ تو روس میں رُک گئے مگر اِدھر سے جاپان نے جنگ شروع کر دی ہے۔ رنگون پر بمباری ہو چکی ہے اور وہاں سے چند سو میل کے فاصلہ پر ہی ہندوستان ہے اور جاپانی اب بھی اگر چاہیں تو ہندوستان کے شہروں پر بمباری کر سکتے ہیں۔ اور آجکل کی بمباری بھی نہایت خطرناک ہے۔ ہمارے بعض دوستوں نے ملایا میں بمباری دیکھی ہے ان کا بیان ہے کہ بمباری کیا ہے گویا ایک جہنم کا دروازہ کُھل گیا ہے۔ امریکہ کتنی بڑی طاقت تھی مگر جاپان نے یک دم حملہ کر کے اس کے بیڑے کو سخت نقصان پہنچا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو طاقت امریکہ جیسی بڑی بڑی حکومتوں کو اس طرح نقصان پہنچا سکتی ہے اُس کا مقابلہ ہندوستانی کیا کر سکتے ہیں۔ اب لڑائی اتنی قریب آ گئی ہے کہ پانچ چھ دن میں موٹروں اور ٹینکوں کی لڑائی کلکتہ میں پہنچ سکتی ہے۔ ہندوستان کی آبادی بے شک بڑی ہے اور بعض کانگرسی یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر تمام ہندوستانی پیشاب کریں تو انگریز اس میں بہہ جائیں مگر یہ سب باتیں ہیں مقابلہ صرف وہ قوم کر سکتی ہے جو ہتھیار رکھتی اور انہیں چلانا جانتی ہے اور دلیر اور بہادر بھی ہو۔ جس قوم اور ملک کی آبادی کا کثیر حصہ بُزدل، غیر مسلح اور بے ہُنر ہو چکا ہو وہ کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ہندوستان میں بہت تھوڑی قومیں ہیں جو لڑ سکتی ہیں۔ پنجاب، صوبہ سرحد اور یوپی کی بعض

قومیں ہیں جو لڑسکتی ہیں۔ باقی بہار، بنگال اور یوپی کی باقی قومیں اور سی پی وغیرہ کے لوگ تو سب کشمیری ٹائپ کے ہیں اور لڑائی کے قابل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان میں فوجی ملکہ نہیں رہا اور قوموں میں بہادری صرف فوجی ملکہ کی وجہ سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ آج کشمیری بُزدل سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ان میں فوجی ملکہ نہیں رہا لیکن کسی وقت یہی قوم اتنی بہادر تھی کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر جتنے حملے کئے ان میں سے صرف دو میں اسے شکست ہوئی اور یہ دونوں وہی تھے جو کشمیر پر کئے گئے۔ گویا کسی زمانہ میں اس قوم نے وہ کام کیا جو ہندوستان بھر میں کوئی اور قوم نہ کر سکی تھی لیکن آہستہ آہستہ جب اسے جنگی کاموں سے الگ کر دیا گیا اور اس میں فوجی ملکہ نہ رہا تو یہی بُزدل ہو گئی اور آج یہ حالت ہے کہ اگر کوئی پنجابی کوئی بُزدلی کا کام کرے تو کہتے ہیں چل کشمیری۔ تو قوموں میں جب فوجی ملکہ نہیں رہتا تو وہ بُزدل ہو جاتی ہیں۔

عربوں نے ایک زمانہ میں کتنا کام کیا تھا مگر اب ان میں وہ بہادری نہیں۔ اب کہتے ہیں کہ عرب بڑا لڑنے والا ہے مگر جب تک خون نہ بہے اور وہ لڑائی کونسی ہے جس میں خون نہ بہے۔ پہلے یہی عرب کس طرح تلواروں سے کھیلتے تھے مگر اب خون کا بہنا بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح ہم ہندوستانی بھی بدقسمتی سے ایک ایسے نظام کے نیچے آ گئے کہ ہمارے حاکموں نے اِس بات کی اہمیت کو نہ سمجھا اور ہندوستانیوں کو فوجی معاملات سے علیحدہ رکھا اور یہی چیز آج ان کے لئے وبال بن رہی ہے۔ پہلے تو ان کو خیال تھا کہ اگر ہندوستانیوں نے جنگی فنون سیکھ لئے تو بغاوت کر دیں گے مگر آج ان کے دل حسرت کے ساتھ اپنی غلطی کو محسوس کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کو فوجی فنون سے واقفیت ہوتی تو ہمارے کام آ سکتے۔ چین کی آبادی زیادہ ہے اور وہ جنگی فنون سے واقف ہیں اِس لئے اُس نے جاپان کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ اس کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ دشمن ایک لاکھ مار دے گا، دو لاکھ، چار لاکھ، دس لاکھ مار دے گا آخر کتنے مارے گا اس کی آبادی چونکہ زیادہ ہے اس لئے وہ اور فوج میدان میں لے آتے ہیں۔ تو اگر انگریزوں نے ہندوستانیوں کو بھی جنگ سے واقف کیا ہوتا تو جاپان حملہ کی کبھی جرأت بھی نہ کر سکتا اور اب تو خطرہ ہے کہ جاپانی آ گئے تو ہندوستان میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ انگریزوں کی طرف سے یہ اعلان کئے جاتے ہیں کہ ہندوستان میں نَو دس لاکھ فوج بھرتی کی گئی ہے مگر اتنی فوج کے لئے سامان کہاں سے آئے گا۔ اس فوج میں بعض سپاہیوں کے پاس چالیس چالیس سال کی پُرانی بندوقیں ہیں اور بعض کے پاس تو صرف ڈنڈے ہیں بلکہ سب کے لئے وردیاں بھی نہیں اور

وہ تہہ بند باندھ کر ہی پریڈ کرتے ہیں اور ان میں بعض ایسے بہادر بھی ہیں کہ ایک دوست سامنے بیٹھے ہیں اُن کو دیکھ کر مجھے یاد آ گیا انہوں نے سنایا کہ ہماری ریاست سے فوج بھرتی ہو کر گئی ہے جس دن وہ روانہ ہوئی سٹیشن پر بڑا ہجوم تھا۔ ان کے بیوی بچے بھی آئے ہوئے تھے اور عجیب نظارہ تھا کہ ریل کی کھڑکیوں میں سے ایک طرف سپاہی سر نکال کر ڈھاڑیں مار کر رو رہے تھے تو دوسری طرف اُن کے بیوی بچوں نے چیخ وپُکار شروع کر رکھی تھی۔ ایسے لوگ جنگ میں کیا کر سکتے ہیں وہ تو وہی کچھ کر سکتے ہیں جو کہتے ہیں کشمیریوں نے کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ مہاراجہ کشمیر نے کشمیریوں کی ایک فوج تیار کی اور اسے دشمن کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان کے افسر واپس مہاراجہ صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ ہم لڑائی پر جانے کے لئے تیار ہیں مگر ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں۔ مہاراجہ نے سمجھا کہ شاید کہیں گے کہ تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہئے یا کوئی اور حق طلب کریں گے۔ اُس نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ پٹھانوں سے مقابلہ ہے سنا ہے وہ بڑے سخت لوگ ہوتے ہیں ہمارے ساتھ پہرے کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ اُسی دن سے اِس قوم کو فوج میں بھرتی کرنا بند کر دیا گیا۔ تو مقابلہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ لڑنے والوں کے دل ہوں، ہاتھ ہوں، دماغ ہوں اور سامان ہو پھر قومیں لڑ سکتی ہیں۔ صرف کسی ملک کی آبادی زیادہ ہونا کافی نہیں اور صرف آبادی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی مُلک نہیں لڑ سکتا تو حالات ایسے خطرناک ہو گئے ہیں کہ ہندوستان کو بِالعموم اور ہماری جماعت کو بِالخصوص اس طرف بہت توجہ کرنی چاہئے۔ اِس جنگ کا تعلق ہماری جماعت سے خاص معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے واقعات مجھے خوابوں میں بتاتا رہتا ہے۔ اگر کوئی تعلق نہ ہوتا تو پھر ان خبروں کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے پچھلے سال بھی اپنا ایک سال کا پُرانا خواب سنایا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ہمارے باغ اور قادیان کے درمیان جو تالاب ہے اس میں قوموں کی لڑائی ہو رہی ہے مگر بظاہر چند آدمی رسّہ کشی کرتے نظر آتے ہیں کوئی کہتا ہے اگر یہ جنگ یونان تک پہنچ گئی تو اس کے بعد حالات یکدم متغیر ہوں گے اور جنگ بہت اہم ہو جائے گی۔ دیکھ لو جب جنگ یونان تک پہنچی تو دنیا میں کتنے تغیرات ہوئے۔ روس کا جنگ میں شامل ہونا، کریٹ کا فتح ہونا، عراق میں بغاوت، ایران میں انقلاب، امریکہ کا زیادہ سرگرمی کے ساتھ دخل دینا، یہ سب واقعات اِس کے بعد ہوئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ یکدم اعلان ہوا ہے کہ امریکہ کی فوج ملک میں داخل ہو گئی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ امریکہ کی فوج بعض انگریزی

علاقوں میں پھیل گئی ہے مگر وہ انگریزی حلقہ اثر میں آنے جانے میں رُکاوٹ نہیں کرتی۔ اِس خواب کا ایک پہلو تو وہ تھا کہ بعض انگریزی جزیروں میں امریکنوں نے اپنے لئے فوجی اڈے حاصل کئے تھے مگر ایک پہلو اس کا اب ظاہر ہو رہا ہے کہ امریکن حکومت بھی انگریزوں کے ساتھ مل کر برسرِ جنگ ہے اور اب ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ بالکل ممکن ہے کہ امریکن فوجوں کو ہندوستان میں بھی لانا پڑے اور سنگاپور جو پولیٹیکل لحاظ سے بہت اہم مقام ہے وہاں امریکن فوجوں کو لانے کا تو فیصلہ ہو چکا ہے۔

پھر مجھے رؤیا میں دکھایا گیا کہ مارشل پیٹان کی حکومت بعض ایسی حرکات کر رہی ہے جن سے انگریزوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور مجھے تشویش پیدا ہوتی ہے کہ انگریز کس طرح مقابلہ کریں گے ان کی تو فرانس کے ساتھ صلح ہے اور ان کے راستہ میں یہ روک ہے کہ اگر اس سے لڑیں تو دنیا کہے گی کہ اپنے اتحادی سے لڑ رہے ہیں اتنے میں آواز آئی کہ یہ ایک سال کی بات ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ پہلے چونکہ فرانس کے ساتھ انگریزوں کی دوستی تھی اس لئے وہ پُرانی دوستی کی وجہ سے اس پر حملہ نہ کر سکتے تھے یہ بات نہ تھی کہ فرانس کی طاقت جرمنی سے بھی زیادہ تھی اور انگریز اس سے ڈرتے تھے بلکہ وہ اس وجہ سے اس کا مقابلہ نہ کرنا چاہتے تھے کہ دنیا کہے گی کہ اپنے پُرانے دوست پر حملہ کر دیا جب تک کہ ایسے حالات پیدا نہ ہو جاتے کہ ان کے لئے اس کا مقابلہ جائز کہلا سکتا وہ اس کے ساتھ تصادم نہ چاہتے تھے۔ آخر عین ایک سال گزرنے پر عراق کی بغاوت نے وہ حالات پیدا کر دیئے۔

احباب کو یاد ہوگا ۱۹۳۷ء میں مَیں نے ایک رؤیا سنایا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بہت بڑا طوفان آیا ہے اور توپوں کے گولے بھی گر رہے ہیں میرے ساتھ میری بیویاں اور بچے بھی ہیں۔ اِس طوفان نے سب چیزوں کو ڈھانپ لیا ہے آخر اِس کا زور کم ہؤا اور میں نے ایک دروازہ میں سے نور کی شعاع دیکھی اور اپنی ایک بیوی سے کہا کہ دیکھو نور نظر آ رہا ہے اور مجھے جو خدا تعالیٰ نے پہلے سے بتا چھوڑا تھا اسی طرح ہؤا ہے اور طوفان دُور ہو گیا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر کی تھی کہ دنیا میں کوئی عظیم الشان تباہی غالباً جنگ کی صورت میں آنے والی ہے اور اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد یہ جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اِس وقت مجھے اپنا ایک پُرانا رؤیا یاد آ گیا۔ جو غالباً ۱۹۲۲ء میں مَیں نے دیکھا تھا۔ مَیں نے دیکھا تھا کہ مسجد مبارک کی چھت پر بہت شور ہے، لوگ چیختے اور روتے ہیں، میں دَوڑا ہؤا وہاں گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو کسی نے بتایا کہ قیامت

آ گئی۔ مغرب کا وقت ہے اور کوئی سورج کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ وہ دیکھو! سورج مشرق کی طرف سے واپس آ رہا ہے اور یہ علامت قیامت کی ہے کہ سورج مغرب میں جانے کے بعد واپس لَوٹ آیا ہے میں بھی گھبراتا تو ہوں مگر سمجھتا ہوں کہ یہ قیامت نہیں ہے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بھائی عبدالرحیم صاحب ٹہل رہے ہیں اور وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ قیامت آ گئی مگر مجھے یکدم کچھ خیال آیا اور میں ان سے کہتا ہوں کہ سورج کا مغرب سے واپس لَوٹنا بھی بے شک قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت تو ہے مگر اس کے ساتھ بعض اور شرطیں بھی ہیں اور وہ اِس وقت ظاہر نہیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا مغرب سے اِس وقت کا طلوع قیامت کی علامت نہیں ہے۔ میں نے جونہی یہ کہا سورج یکدم ٹھہرا اور پھر واپس ہونا شروع ہو گیا۔ اِس سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتنہ جو مغرب سے اُٹھا ہے اور جو قیامت کا ایک نمونہ ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دُور کر دے گا۔

اسی طرح ایک اور خواب مَیں نے پچھلے سال دیکھا تھا جس کا دوسرا حصہ اب پورا ہؤا ہے۔ میں شملہ میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے مکان پر تھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک جگہ ہوں اور وہاں ایک بڑا ہال ہے جس کی سیڑھیاں بھی ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑا ملک ہے مگر نظر ہال آتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ سیڑھیوں میں سے اٹلی کی فوج لڑتی آ رہی ہے اور انگریزی فوج دبتی چلی جارہی ہے یہاں تک کہ اطالوی فوج ہال کے کنارے تک پہنچ گئی جہاں سے میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی علاقہ شروع ہوتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ قادیان نزدیک ہی ہے اور میں بھاگ کر یہاں آیا ہوں۔ مجھے میاں بشیر احمد صاحب ملے ہیں میں ان سے اور بعض اور دوستوں سے کہتا ہوں کہ اٹلی کی فوج انگریزی فوج کو دباتی چلی آ رہی ہے اگرچہ ہماری صحت اور بینائی وغیرہ ایسی تو نہیں کہ فوج میں باقاعدہ بھرتی ہو سکیں مگر بندوقیں ہمارے پاس ہیں آؤ ہم لے کر چلیں دُور کھڑے ہو کر ہی فائر کریں گے۔ چنانچہ ہم جاتے ہیں اور دُور کھڑے ہو کر فائر کرتے ہیں اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ **انگریزی فوج اٹلی والوں کو دبانے لگی ہے** اور اس نے پھر انہی سیڑھیوں پر واپس چڑھنا شروع کر دیا ہے جن پر سے وہ اُتری تھی۔ اُس وقت مَیں دل میں سمجھتا ہوں کہ دو تین بار اسی طرح ہؤا ہے۔ چنانچہ یہ خواب لیبیا میں پورا ہو چکا ہے۔ جہاں پہلے دشمن مصر کی سرحد تک پہنچ گیا تھا مگر انگریزوں نے پھر اُسے پیچھے ہٹا دیا، پھر دشمن نے انگریزوں کو پیچھے ہٹا دیا، اور اب پھر انگریزوں نے ان کو پیچھے ہٹا دیا ہے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال

کہیں تاریخ میں نہیں ملتی کہ چار دفعہ ایسا ہؤا ہو کہ پہلے ایک قوم دوسری کو ایک سِرے سے دباتی ہوئی دوسرے سِرے تک جا پہنچی ہو اور پھر وہ اُسے دبا کر اُسی سِرے تک لے گئی ہو اور ایک مرتبہ پھر وہ اُسے دبا کر وہیں پہنچا آئی ہو اور چوتھی دفعہ پھر وہ اُسے دبا کر واپس لے گئی ہو۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں ہیں جو اس جنگ کے متعلق مجھے وقتاً فوقتاً دی جاتی ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کے ساتھ ہماری جماعت کا کوئی خاص تعلق ہے ورنہ ان کی ضرورت نہ تھی۔

اب میں جنگ کے وہ اثرات بیان کرتا ہوں جن کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہندوستان پر حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ تو ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کیا ہے لیکن جن حالات میں ہم ہیں ان کی وجہ سے ضروری ہے کہ انگریزوں کی مدد کی جائے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس حکومت کے ماتحت رکھا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی فتح کے لئے دعا فرمائی ہے اور اپنی جماعت کو بھی ان کے ساتھ تعاون کا ارشاد فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

> ''ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اِس گورنمنٹ کو ہر یک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذِلّت کے ساتھ پسپا کرے۔''[۶]

نیز فرمایا:-

> ''ہر یک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہئے کہ اِس وقت انگریزوں کی فتح ہو کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔''[۷]

پس روحانی اور جسمانی دونوں حالات کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی مدد کریں اور یہ مدد حسبِ ذیل طریقوں سے ہم کر سکتے ہیں:-

۱۔ ریکروٹنگ میں خاص طور پر مدد دی جائے۔
۲۔ چندوں وغیرہ کے ذریعہ سے مدد دی جائے۔
۳۔ غلط افواہوں کا مقابلہ کیا جائے۔
۴۔ مُلک میں امن قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔
۵۔ ہوائی حملوں سے بچاؤ وغیرہ کے لئے جو انتظامات حکومت کی طرف سے کئے جا رہے ہیں ان میں ان کی مدد کی جائے۔ اور
۶۔ انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعائیں کی جائیں۔

اب مَیں ان میں سے ہر ایک امر کے متعلق تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

ریکروٹنگ میں مدد صرف اس لئے ہی مفید نہیں کہ اس سے انگریزوں کی کامیابی میں مدد ملتی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس سے قوم میں جنگی سپرٹ پیدا ہوتی ہے اور جنگی فنون سے واقفیت ہوتی ہے۔ ہمارے ملک کے لئے دوسری بیرونی حکومتوں کے مقابل پر انگریزوں کی حکومت کئی لحاظ سے اچھی ہے اور اس لئے ہندوستان کا فائدہ اِسی میں ہے کہ انہیں فتح حاصل ہو۔ جو قوم کسی مُلک پر دیر سے حکومت کر رہی ہو اُس کی طاقت بہت حد تک زائل ہو چکی ہوتی ہے اور اُس کا رُعب بھی مٹ چکا ہوتا ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے سکولوں میں تعلیم پائی ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ سکول میں جو ماسٹر نیا نیا آئے اُس کا رُعب زیادہ ہوتا ہے۔ پُرانے ماسٹروں کا اتنا رُعب نہیں ہوتا۔ اسی طرح پُرانی حکومت کا رُعب کم ہو جاتا ہے اور جو حکومت نئی نئی ہو اُس کا رُعب زیادہ ہوتا ہے۔ نئی حکومت کا مقابلہ اتنی دلیری سے نہیں کیا جاسکتا جتنا پُرانی کا۔ گاندھی جی جس طرح انگریزوں سے روٹھ جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میں کھانا پینا ترک کرتا ہوں تو انگریز اُنہیں منانے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح جرمنوں کے ماتحت یہ ممکن نہیں۔ انگریز گاندھی جی کو خوب سمجھتے ہیں اور گاندھی جی انگریزوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ ایک بڑے افسر سے جو بعد میں گورنر بھی ہو گئے تھے میں نے ایک دفعہ کہا کہ گورنمنٹ کی فلاں بات کا کانگرس کو علم ہو چکا ہے یہ آپ لوگوں کا کیسا انتظام ہے کہ سرکاری راز تک کانگرسیوں کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا اسی طرح ہوتا ہے ان کے راز ہم کو مِل جاتے ہیں اور ہمارے ان کو پتہ لگ جاتے ہیں۔ یہی گاندھی جی اور حکومت کا معاملہ ہے دونوں ایک دوسرے کے دل کو پڑھنا خوب جانتے ہیں۔ لیکن اگر انگریزوں کی بجائے یہاں کوئی اور حکومت ہو تو وہ نہ گاندھی جی کے دل کو پڑھ سکے اور نہ گاندھی جی اُس کے دل کو پڑھ سکیں۔ جس قوم نے تین سَو سال تک دنیا سے روپیہ کمایا ہے اُس میں وہ بہادری اور جُرأت نہیں ہو سکتی جتنی اُس قوم میں ہوگی جو دنیا میں عیش و عشرت کرنے کی نئی نئی امیدیں لے کر میدان میں نکلی ہو۔ جب تک وہ بھی سَو، دوسَو سال تک دنیا سے کمائی نہ کر لے اُس کی جُرأت میں کمی نہیں آ سکتی۔ انگریز تو اب سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو لینا تھا لے لیا لیکن کوئی نئی قوم جب تک کم سے کم سَو دوسَو سال تک مزے نہ لُوٹ لے اُسے چین نہیں آ سکتا۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً وَ کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ [8]

تو جب بھی کسی ملک میں کوئی نیا بادشاہ آئے گا تو وہ پُرانے جیسا معاملہ اہلِ ملک کے ساتھ نہیں کرسکتا۔ نئے بادشاہ جب کسی مُلک میں آتے ہیں تو بہت سے انقلابات ان کے ساتھ آتے ہیں۔کئی امرا، غریب اور کئی غریب، امیر ہو جاتے ہیں۔ پس یہ حکمت انگریزوں کی مدد کی ہے اور یہ بہت اہم حکمت ہے اس لئے انگریزوں کی مدد کرنی ضروری ہے۔جس کا پہلا ذریعہ جیسا کہ میں نے بتایا ریکروٹنگ ہے۔ریکروٹنگ سے ہمارے اپنے اندر بھی فوجی سپرٹ قائم ہوتی ہے۔ جس قوم میں فوجی سپرٹ نہ ہو وہ بُزدل ہو جاتی ہے۔جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہی کشمیری قوم جو آج اتنی بُزدل سمجھی جاتی ہے ایک وقت اِس کی یہ حالت تھی کہ محمود نے جتنے حملے ہندوستان پر کئے ان میں سے صرف دو میں اسے شکست ہوئی اور یہ دو حملے وہی تھے جو اس نے کشمیر پر کئے۔کسی وقت وہ اتنی بہادر قوم تھی لیکن آج یہ حالت ہے کہ مجھے یاد ہے بچپن میں مَیں ایک دفعہ کشمیر گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک پنڈت پچاس ساٹھ کشمیریوں کو گالیاں دے رہا اور ٹھڈے مار رہا تھا اور وہ آگے سے ہاتھ جوڑ رہے اور منّتیں کر رہے تھے۔ایک زمانہ میں راولپنڈی تک اور صوبہ سرحد کے کئی اضلاع تک ان کی حکومت تھی، تبت میں بھی ان کی حکومت تھی مگر جب ان میں فوجی سپرٹ نہ رہی تو وہ بُزدل ہو گئے۔اللہ تعالیٰ حاکم قوموں پر اِس لئے مصیبت لاتا ہے تا محکوم قوموں میں فوجی سپرٹ پیدا ہو وہ ضرورت کے وقت مجبور ہو کر ان کو بھرتی کرتی ہیں۔پس یہ ایک ترقی کا راستہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کھولا ہے اور ہمیں اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور فوجی ٹریننگ حاصل کرنی چاہئے۔

دوسری بات غلط افواہوں کا مقابلہ کرنا ہے یہ بہت اہم بات ہے۔یاد رکھنا چاہئے کہ غلط افواہیں بُزدل بنا دیتی ہیں۔لوگ عام طور پر خطرہ سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا خطرے کی آواز سے ڈرتے ہیں۔خود ہمارے ساتھ ایک دفعہ ایک واقعہ پیش آیا۔ہم ڈلہوزی میں سیر کرنے جا رہے تھے شام کا وقت تھا دو دو کر کے ہم چلے جا رہے تھے کہ پچھلوں کی آواز آئی ’’سانپ‘‘ اور اس سے بچنے کے لئے ہم سے جو آگے تھے انہوں نے چھلانگ ماردی۔انہیں میں سے ایک کی ٹانگوں کے درمیان سے سانپ گزر رہا تھا ان کے پیچھے ہم تھے ہم نے بھی اپنے دوستوں کو خطرہ میں دیکھ کر ان کے پیچھے دَوڑنا شروع کیا۔اگلے دوست جن کے پاؤں میں سے سانپ گزرا تھا اِس طرح کُود کُود کر دَوڑ رہے تھے کہ ہر قدم پر ایک نیا سانپ ان کے راستہ میں آ جاتا تھا۔پیچھے ہم ان کی مدد کو جا رہے تھے مگر چند گز کے بعد یکدم میں نے دیکھا تو مَیں اور سید ولی اللہ شاہ جو دوسری قطار

میں تھے ہم دونوں بھی اسی طرح کُود کُود کر دَوڑ رہے تھے جس طرح کہ پہلے لوگ۔ حالانکہ ہمارے راستہ میں کوئی سانپ نہ تھا اور ہم صرف اگلوں کی امداد کو جا رہے تھے۔ یہ خیال آتے ہی مجھے ہنسی آ گئی اور میں نے اگلوں کی طرف دیکھا تو ان کے پاس بھی کہیں سانپ کا نشان نہ تھا۔ میں نے شاہ صاحب کو پکڑ کر کھڑا کیا اور کہا کہ شاہ صاحب! آخر ہمارے دَوڑنے کی غرض کیا ہے؟ سانپ تو غالباً پیچھے رہ گیا ہے اور پھر آواز دے کر اگلوں کو کھڑا کیا پھر جو مُڑ کر دیکھا تو معلوم ہؤا کہ سانپ کو میاں شریف احمد صاحب اور صوفی عبدالقدیر صاحب نے جو آخر میں تھے انہوں نے مار بھی لیا تھا۔ گویا سانپ تو مر چکا تھا مگر اُس کی آواز نے اچھے بھلے کچھ اور آدمیوں کو دَوڑا رکھا تھا۔ غرض خطرہ کی آواز خطرہ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور وہ بُزدلی پیدا کر دیتی ہے۔ ویسے آدمی کو خطرہ نظر آ جائے تو وہ اُس سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا خطرہ کی بات سے ڈرتا ہے۔

ایک دفعہ میں پاخانہ کے لئے بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ میری دونوں رانوں کے بیچ میں سے سانپ نے پھن نکالی مگر میں بالکل نہ گھبرایا اور میں نے سوچا کہ اگر اب میں نے حرکت کی تو ممکن ہے یہ کاٹ لے اس لئے اسی طرح بیٹھا رہا۔ اور سانپ آرام سے پاٹ میں سے نکلا اور چکّر کاٹ کر پاخانہ میں سے باہر چلا گیا۔ تو میں نے سانپ کو اِس قدر قریب سے دیکھا اور وہ میرے ننگے جسم سے قریباً چُھوتا ہؤا گزرا مگر میرے دل میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ لیکن ڈلہوزی میں ''سانپ'' کی آواز آئی اور ہم سب اس سے مرعوب ہو گئے۔ پس خطرہ کی افواہیں بہت بُرا اثر ڈالتی ہیں بلکہ افواہیں خود جنگ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ کسی جگہ بموں کا پڑنا اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا یہ شور پڑ جانا کہ بم پڑ رہے ہیں۔ غلط افواہیں قوموں میں بُزدلی پیدا کر دیتی ہیں پس انگریزوں کے لئے نہیں بلکہ اپنی بہادری اور جُرأت کو قائم رکھنے کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ غلط افواہوں کو پھیلنے سے روکا جائے اور ان کا مقابلہ کیا جائے۔ مجھے ایک دوست جو فوج میں لیفٹیننٹ ہیں ملنے آئے اور کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ہمیشہ اپنے ماتحتوں کے حوصلوں کو قائم رکھیں اور اگر کریٹ[9] وغیرہ کو شکست کی وجہ سے سپاہیوں میں گھبراہٹ پیدا ہو تو بے شک ان کا دل بڑھانے کے لئے کہہ دیا کریں کہ یہ انگریز لڑنا کیا جانیں یہ تو نازونعم میں پلنے والے لوگ ہیں یہ دشمن کو کیا شکست دیں گے ہاں ہم اسے ضرور شکست دیں گے۔ ہم مضبوط اور جفاکش لوگ ہیں جب ہم سے مقابلہ کا وقت آیا تو ہم ضرور دشمن کو شکست دیں گے۔ تو جنگ میں غلط افواہیں بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ اور ان کا مقابلہ

ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ رُستم کے گھر میں چور آ گیا۔ رُستم بے شک بہت بہادر تھا مگر اس کی شُہرت فنونِ جنگ میں تھی ضروری نہ تھا کہ کشتی کے فن میں بھی ہر ایک سے بڑھ کر ہو۔ چور کُشتی لڑنا جانتا تھا اور اس نے رُستم کو نیچے گِرا دیا۔ جب رُستم نے دیکھا کہ اب تو میں مارا جاؤں گا تو اُس نے کہا آ گیا رُستم۔ چور نے جب یہ آواز سنی تو وہ فوراً اُسے چھوڑ کر بھاگا۔ غرض چور رُستم کے ساتھ تو لڑتا رہا بلکہ اُسے نیچے گِرا لیا مگر رُستم کے نام سے ڈر کر بھاگا۔ کسی آدمی کے گھر کو آگ لگی ہو تو اُس پر اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا یہ خبر سن کر کہ اُس کے گھر کو آگ لگی ہے۔

غلط افواہوں کا ایک خطرناک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ریکروٹنگ کا کام بند ہو جاتا ہے۔ اِس وقت قریباً ہر شخص کے عزیز جنگ پر گئے ہوئے ہیں اور ہر شخص دعا کرتا ہے کہ وہ بچ کر آ جائیں۔ مگر یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ وہ بچ اسی صورت میں سکتے ہیں کہ ان کے پیچھے بھی بندوق والے سپاہی جائیں جو انکی مدد کریں ورنہ وہ کیسے بچ سکتے ہیں اور غلط افواہوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اور سپاہی پیچھے سے نہ جائیں گے۔ پس جو شخص غلط افواہوں کو پھیلنے دیتا ہے وہ گویا خود اپنے عزیزوں کو جو میدانِ جنگ میں ہیں مرواتا ہے۔ پس آپ لوگ غلط افواہوں کو روکیں تا ریکروٹنگ کا کام بند نہ ہو اور آپ کے بھائی بندوں کے پیچھے اور بندوقوں والے سپاہی پہنچتے رہیں جو ان کو بچا سکیں۔

جنگ میں امداد کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ مُلک میں امن قائم رکھا جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے وقت میں شریروں کے حوصلے بہت بڑھ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ اب انگریز گئے اِس جنگ میں اب تک کوئی بھی شکست انگریزوں کو ایسی نہیں ہوئی جس کے بعد ایسے لوگوں نے یہ نہ کہنا شروع کر دیا ہو کہ بس اب انگریز گئے اور بعض نادان غیر احمدیوں کے بارہ میں مَیں نے یہاں تک سنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ انگریز جائیں تو ہم سرحدی پٹھانوں کو لا کر احمدیوں کو سزا دِلوائیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کیا ہوگا لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی باتوں سے فسادات ضرور ہو جاتے ہیں اور اس لئے یہ نہایت خطرناک ہوتی ہیں۔ ہر قوم کے شریروں میں اس قسم کے جذبات ہوتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو نکال دیں گے اور مسلمانوں میں بھی ہیں۔ اور ایسے لوگ اپنی قوم کے ادنیٰ لوگ ہوتے ہیں شریف ہندو یا شریف مسلمان نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کو غلط افواہوں سے مدد ملتی ہے اور یہ ایسے موقع کی

تاڑ میں رہتے ہیں کہ مُلک میں یا کسی شہر میں بدامنی ہو تو لُوٹ مار کریں۔ اور غلط افواہوں کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ بعض دفعہ بے موقع ہی حملہ کر دیتے ہیں اور اگر غلط افواہوں کو روکا نہ جائے تو ہوسکتا ہے کہ کسی حقیقی خطرہ کا موقع آنے پر پہلے ہی کوئی حملہ کر دیں۔ پس لوگوں کو تسلی دینے اور حوصلے قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ غلط افواہوں کو پھیلنے سے روکا جائے۔ اس میں انگریزوں کا نہیں بلکہ اپنا ہی فائدہ ہے۔ مُلک میں اگر بدامنی ہو تو اس کا فائدہ بدمعاشوں کو ہی ہوتا ہے شرفاء کو نہیں ہوسکتا۔ بدمعاش ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اگر کبھی دو بیوقوف ہندو اور مسلمان آپس میں لڑیں تو لُوٹ مار شروع کر دیں۔ پس ملک کے اندر ایسی روح پیدا کر دینی چاہیئے کہ ان کے لئے ایسا موقع پیدا نہ ہو اور انہیں فساد کرنے کے لئے بہانہ ہاتھ نہ آ سکے۔

ایک اور بات میں نے یہ کہی ہے کہ انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعائیں کرنی چاہئیں۔ دعاؤں کا ہتھیار بڑا کارگر ہتھیار ہے۔ اسے ہم ہی خوب سمجھتے ہیں دوسری کوئی قوم نہیں سمجھ سکتی۔ ہم نے دعاؤں کے بڑے بڑے فائدے دیکھے ہیں اور یہ وہ ہتھیار ہے جو ہمارے سِوا کوئی چلانا نہیں جانتا۔ بے شک ہم تھوڑے ہیں مگر ہماری مثال ایسی ہے جیسے فوج میں توپ خانہ ہوتا ہے۔ انفنٹری اور فوج کی دوسری رجمنٹیں اگر سُستی کریں تو اتنا حرج نہیں جتنا کہ توپ خانہ کی سُستی سے ہو سکتا ہے۔ توپ خانہ اگر سُستی کرے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ساری فوج ماری جائے۔ پس ہم توپ خانہ کے افسر ہیں اور اگر ہم کوتاہی کریں گے تو دنیا پر بڑی تباہی آئے گی۔ توپ کی طرح دعا بھی بہت دور تک گولہ پھینکتی ہے اور ہمارے سامنے تو قبولیتِ دعا کے ایسے ایسے نمونے ہیں کہ ہم اس کی طاقت کا انکار نہیں کر سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گورداسپور کے ایک ہندو مجسٹریٹ آتما رام نے سزا دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کی موت کی خبر آپ کو دی۔

''چنانچہ بیس دن میں دو لڑکے اس کے مر گئے۔'' [۱۰]

ایک لڑکا جو لاہور کے گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا ڈوب کر مر گیا۔ بیس بائیس سال ہوئے مَیں گاڑی میں جا رہا تھا کہ لدھیانہ کے سٹیشن پر وہ مجھے ملا اور کہا کہ لوگوں نے یونہی مرزا صاحب کو مجھ سے ناراض کر دیا اور مجھ سے کہا کہ آپ دعا کریں۔ اس کے دونو جوان لڑکے مر گئے اور اس کی بیوی ہمیشہ اُسے یہی کہتی کہ یہ لڑکے تُو نے ہی مارے ہیں۔ تو یہ توپیں ہیں جو اللہ تعالیٰ چلاتا ہے دوسری توپ تو ساٹھ ستّر میل تک ہی مار کرتی ہے اور اس کے گولے خطا بھی جاتے ہیں مگر

خدا تعالیٰ کی توپ کا گولہ بہت دور تک مار کرتا ہے اور کبھی خطا نہیں جاتا۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی توپ کا گولہ گورداسپور سے لاہور پہنچا جو قریباً اسّی میل کا فاصلہ ہے اور وہاں بھی اس نے گورنمنٹ کالج کی عمارت کو چُنا اور اس میں جا کر عین اسی لڑکے پر گرا جس پر وہ پھینکا گیا تھا اور اسے ہلاک کر دیا۔ تو دعا کی توپ کا گولہ کبھی خطا نہیں جاتا اور اگر اس کے باوجود ہم سُستی کریں تو یہ بہت افسوس کی بات ہوگی۔ دعا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب انسان دعا کرتا ہے تو اُس کے دل میں یقین بڑھتا ہے یہ ایک طبعی فائدہ ہے جو دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ جب ایک انسان کہتا ہے کہ خدایا! میری مدد کر تو اُس کے دل میں ایک یقین پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ میری مدد کر سکتا ہے اور اس طرح توکّل بڑھتا ہے اور وہ ایسے ایسے کام کر سکتا ہے جو دوسرا کوئی نہیں کر سکتا اور یہ طبعی فائدہ دعا کا ہوتا ہے۔

جنگ کا ایک اور خطرناک اثر یہ ہوتا ہے کہ ملک میں قحط پڑ جاتا ہے۔ کچھ تو غلہ فوجوں کے لئے چلا جاتا ہے مگر کچھ بنیے چھپا لیتے ہیں تا گراں کر کے فروخت کر سکیں۔ فرض کرو اِس وقت ایک لاکھ ٹن باہر گیا ہے تو دس لاکھ ٹن بنیوں نے گھروں میں چُھپا لیا ہے یہ کتنا خطرناک اثر جنگ کا ہے۔ اور قحط ایک ایسی مصیبت ہے کہ چند ایک لوگوں کو چھوڑ کر سب کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے اِس وقت غلہ بہت مہنگا ہو چکا ہے۔ گو حکومت نے قیمت پر کنٹرول کیا ہے مگر یہ کافی نہیں میرے خیال میں گندم کا بھاؤ تیرہ سیر فی روپیہ کے قریب ہونا چاہئے۔ یہ ایسا بھاؤ ہے کہ اس سے زمینداروں کو بھی فائدہ ہو سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ گندم تین روپے من ہونی چاہئے لیکن یہ اس وقت نہیں ہو سکتا یہ تو فصل نکلنے کے دنوں میں ہو سکتا ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ جب تو زمینداروں کے ہاں غلہ ہو اُس وقت بھاؤ دو، سَوا دو روپیہ من ہوتا ہے لیکن جب بنیوں کے پاس چلا جاتا ہے تو اس وقت بھاؤ چار پانچ روپیہ من ہو جاتا ہے۔ پس گندم کا بھاؤ تین روپیہ من مقرر ہونا چاہئے۔ تا ۱۲، ۱۳ سیر روپیہ کا آٹا لوگوں کو مل سکے۔ اب جو حکومت ہند نے گندم کی قیمت پر کنٹرول کیا تو پنجاب اسمبلی میں بعض زمیندار ممبروں نے سوال اُٹھایا کہ اس سے زمینداروں کو نقصان ہوگا۔ یہ بات صرف بھیڑ چال کے طور پر اُٹھائی گئی ورنہ کون نہیں جانتا کہ آج کل زمینداروں کے گھروں میں غلہ کہاں ہوتا ہے؟ آج کل تو وہ بیج بھی بازار سے خرید کر ڈالتے ہیں۔ تو یہ ایک خیالی بات تھی جو انہوں نے کہہ دی اور ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں۔ کوئی گیدڑ بھاگا جا رہا تھا کسی نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ

سب اونٹ بیگار میں پکڑ لئے جائیں اس لئے بھاگا جا رہا ہوں۔ اُس نے کہا اونٹوں کے پکڑنے کا حکم ہے گیدڑوں کو پکڑنے کا تو نہیں اِس لئے تم کیوں خواہ مخواہ بھاگے جاتے ہو۔ اُس نے کہا کہ بادشاہوں کا مزاج نرالا ہوتا ہے کیا پتہ کہ گیدڑوں کو بھی پکڑ والیں۔ اِن شور مچانے والوں سے کوئی پوچھے کہ اگر آج کل گندم کا بھاؤ واقعی گر جائے تو یہ مصیبت تو ان کے لئے ہوگی جن کے پاس گندم کے ذخائر ہیں۔ زمینداروں کے گھروں میں تو دانہ بھی نہیں انہیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے وہ تو فائدہ میں رہیں گے کہ سَستے داموں غلہ لے کر کھا سکیں گے۔ پس ان کی یہ مخالفت بے جا ہے۔ حکومت نے جو قیمت مقرر کی ہے وہ تسلی بخش نہیں بھاؤ اس سے بھی کم چاہئے تھا اور غلہ نکلنے کے وقت تو تین روپے من مقرر ہونا چاہئے۔

قحط کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ ہماری جماعت کوشش کرے کہ فصل زیادہ پیدا کی جائے اور پھر جو غلہ پیدا ہو اُس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ محفوظ رکھا جائے۔ سورۂ یوسف میں یہ نسخہ بتایا گیا ہے۔ پس ہر شخص کوشش کرے کہ فصل زیادہ سے زیادہ اور عمدہ سے عمدہ ہو۔ بیج بھی اعلیٰ درجہ کا استعمال کیا جائے اور پھر جو فصل ہو اُس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور محفوظ کر لیا جائے تا اگر خطرہ کے دن آئیں تو ہم نہ صرف اپنے بلکہ اپنے ہمسایوں کے لئے روٹی کا انتظام کر سکیں تھوڑے ہی دن ہوئے مجھے ایک احمدی عورت نے اپنا ایک خواب سنایا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو ہزار کا غلہ خرید لو۔ اس میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کو کچھ نہ کچھ حصہ فصل کا محفوظ کرنا چاہئے۔ میں نے دیکھا ہے مسلمان زمیندار زیادہ محنت نہیں کرتے۔ شروع میں جب مَیں سیر کے لئے جایا کرتا تھا تو کھیتوں کو دیکھ کر بتا دیتا تھا کہ یہ کھیت مسلمان زمیندار کا ہے اور یہ سکھ کا۔ سکھ زمیندار زیادہ محنت کرتے ہیں اور ان کی فصل بھی اچھی ہوتی ہے مگر مسلمان اتنی محنت نہیں کرتے اور اس لئے ان کی فصل بھی اچھی نہیں ہوتی۔ فصل کوشش اور محنت سے اچھی ہو جاتی ہے اور ہمارے دوستوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ اب فصل بوئی تو جا چکی ہے مگر پھر بھی اسے بروقت پانی وغیرہ دے کر اچھا کیا جا سکتا ہے۔ پھر جو فصل تیار ہو اسے اچھی طرح سنبھالنا چاہئے۔ سَستی قیمت پر یونہی فروخت نہیں کر دینا چاہئے اور کچھ نہ کچھ ذخیرہ بھی رکھنا چاہئے۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ملک میں کچھ نہ کچھ فسادات ہوں ایسے موقع کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ ایسے مواقع پر اقلیتوں کو زیادہ خطرہ ہوتا ہے اس لئے ایسے موقع پر دوستوں کو

مرکز میں جمع ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ میں اس کی تفاصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ انسانی فطرت میں رکھا ہے کہ خطرہ کی حالت میں خود حفاظتی کا ذریعہ وہ خود سوچ سکتا ہے مگر اتنی بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسے موقع پر دوست مرکز میں جمع ہونے کی کوشش کریں۔ جو قادیان میں آسکیں یہاں آجائیں اور جو نہ آسکیں وہ ضلع کے کسی مقام پر جہاں جماعت زیادہ ہو یا جہاں احمدی مالک ہوں جمع ہو جائیں۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اپنا گھر بار کس طرح چھوڑیں۔ یہ پاگل پن کی بات ہے۔ اوراس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر بھی جاتا ہے اور ساتھ جان بھی، اکیلا اکیلا آدمی کچھ نہیں کرسکتا۔

اس جنگ کا ایک نیک اثر بھی ہے اور وہ یہ کہ جرمنی میں تبلیغ کا رستہ کُھل جائے گا۔ مجھے یہ رؤیا میں بتایا گیا ہے اوراس کے لئے ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی چاہئے۔ ہم اس وقت وہاں مبلّغ وغیرہ تو نہیں بھیج سکتے مگراس کے لئے تیاری کر سکتے ہیں اور وہ کرنی چاہئے۔ جولوگ کسی کام سے پہلے اس کے لئے تیاری نہیں کرتے وہ کامیاب بھی نہیں ہو سکتے۔ حضرت مسیح ناصری نے اِس کی مثال یُوں دی ہے۔ آپ نے فرمایا:-

> ''اُس وقت آسمان کی بادشاہت اُن دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کونکلیں۔ ان میں پانچ بیوقوف اور پانچ عقلمند تھیں۔ جو بیوقوف تھیں انہوں نے اپنی مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ مگر عقلمندوں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کُپیوں میں تیل بھی لے لیا اور جب دولہا نے دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں۔ آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دولہا آ گیا اُس کے استقبال کو نکلو۔ اُس وقت وہ سب کنواریاں اُٹھ کر اپنی اپنی مشعلیں درست کرنے لگی اور بیوقوفوں نے عقلمندوں سے کہا کہ اپنے تیل میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو کیونکہ ہماری مشعلیں بُجھی جاتی ہیں۔ عقلمندوں نے جواب میں کہا کہ شاید ہمارے تمہارے دونوں کے لئے پُورا نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ بیچنے والوں کے پاس جا کر اپنے واسطے مول لے لو۔ جب وہ مول لینے جا رہی تھیں تو دولہا آ پہنچا اور جو تیار تھیں وہ اُس کے ساتھ شادی میں چلی گئیں اور دروازہ بند کیا گیا۔ پیچھے وہ باقی کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں۔ اے خداوند!

اے خداوند! ہمارے لئے دروازہ کھول دے۔ اُس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔ پس جاگتے رہو کیونکہ نہ تم اُس دن کو جانتے ہو اور نہ اس گھڑی کو۔'' [۱۱]

پس یاد رکھنا چاہئے کہ پہلے سے تیاری کرنے والا ہی وقت پر کام کرسکتا ہے دوسرا نہیں۔ تحریک جدید کو جاری ہوئے سات سال ہو چکے ہیں اسکے ماتحت میں نے مستقل مبلّغین کی تیاری کا کام شروع کر دیا تھا۔ مولوی فاضل اور گریجوایٹ اس کام کے لئے، لئے گئے تھے مگر چھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور مبلّغ ابھی تک تیار نہیں ہو سکے اور جنگ کے بعد جو نئے مبلّغ درکار ہوں گے ان کی تیاری اگر اُس وقت شروع کی گئی تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ چھ سال اور لگیں گے۔ پس اس کے لئے آج ہی سے تیاری شروع کر دینی چاہئے تا جنگ کے اختتام پر پوری طرح فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

تحریک جدید کا چندہ

اِس تیاری کے لئے (یعنی جنگ کے ختم ہونے پر وسیع پیمانہ پر تبلیغ کرنے کے لئے) پہلی ضروری بات یہ ہے کہ دوست تحریک جدید میں چندہ دینے میں ہمت سے کام لیں۔ گزشتہ سال کی وصولی گزشتہ تین چار سالوں کی وصولی سے اچھی رہی ہے اور اس سال کے وعدے بھی زیادہ ہیں (افسوس کہ اس کے بعد وعدوں میں نمایاں کمی آ گئی اور اس وقت وعدے گزشتہ سال سے بہت کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوستوں کو توفیق دے کہ بقیہ دنوں میں اس کی تلافی کرسکیں) گو یہ زیادتی کوئی نمایاں نہیں لیکن اگر دوست کوشش کر کے اس زیادتی کو وصولی میں بھی قائم رکھیں تو امید ہے کہ آمد میں پچھلے سال کی نسبت دس پندرہ فیصدی کی زیادتی ہوگی اور اس طرح اگر وصولی بھی اچھی ہو جائے تو تحریک جدید کا یہ آٹھواں سال بنیاد کے مضبوط کرنے کا موجب ہو سکے گا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کئی بار بتایا ہے میں اس روپیہ سے مستقل جائداد پیدا کر رہا ہوں۔ نہری زمین آٹھ ہزار ایکڑ خریدی جا رہی ہے تا اس سے چالیس پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی آمد ہو سکے اور سلسلہ کے مستقل اخراجات کے لئے ہمیں جماعت سے چندہ مانگنا نہ پڑے۔ دراصل کاموں میں جو روک پیدا ہوتی ہے وہ مستقل اخراجات کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اتنی آمد پیدا کرنے والی جائداد خریدی جا سکے جس سے عملہ دفاتر وغیرہ کا خرچ چل سکے اور ایسے مستقل اخراجات کے لئے جماعت سے چندہ نہ لینا پڑے اور جو وقتی چندے لئے جائیں وہ تبلیغ پر خرچ ہوں اور یہ بڑا اہم کام ہے۔ میں چاہتا

ہوں کہ دس بارہ ہزار ایکڑ زمین حاصل کی جاسکے اور جب تک جماعت عمدگی کے ساتھ اور پوری توجہ سے تحریک جدید کے چندوں کی ادائیگی میں کوشش نہ کرے یہ پورا نہیں ہوسکتا۔ جو زمین خریدی جاچکی ہے اس میں سے بعض رقبے تو تین چار سال کے بعد ہی آزاد ہو جائیں گے۔ یعنی ان کی قیمت ادا ہو جائے گی اور بعض کی اقساط اگر ہم چندہ کے ذریعہ زمین کو پہلے ہی آزاد نہ کروالیں تو چودہ پندرہ سال تک ادا ہوتی رہیں گی۔ پس یہاں سے جانے کے بعد ہر جماعت کے دوست کوشش کریں کہ ہر شخص چندہ تحریک جدید میں اپنا وعدہ لکھوائے اور پھر اسے پورا بھی کرے۔ تحریک ہر ایک احمدی کو کی جائے مگر جبر نہ کیا جائے جو شخص چاہے حصہ لے اور جو نہ چاہے نہ لے۔

امانت فنڈ

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت فنڈ کو مضبوط کیا جائے۔ اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ پہلے اس میں صرف دس بارہ ہزار روپیہ سالانہ آتا تھا پچھلے سال میں نے تحریک کی تو اٹھارہ بیس ہزار آیا ہے مگر یہ بھی کم ہے اگر دوست توجہ کریں تو کم سے کم لاکھ دو لاکھ روپیہ سالانہ آمد ہوسکتی ہے ہر شخص کو چاہئے کہ جنگ کے خطرات کے پیش نظر یا مکان بنانے کی نیت سے یا بچوں کی تعلیم اور ان کی شادیوں وغیرہ کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کرتا رہے اور پھر اسے امانت فنڈ میں جمع کراتا رہے تا مصیبت یا ضرورت کے وقت کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ مجھے تو بیسیوں لوگوں نے کہا کہ آپ کی اِس تحریک سے ہمیں بہت فائدہ پہنچا ہے ہمارے لئے کوئی صورت مکان بنانے کی نہ تھی اور اس طرح بنا لیا تو اس طرف دوستوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔

سادہ زندگی

تیسری چیز سادہ زندگی ہے۔ میں دیر سے اِس کی طرف دوستوں کو توجہ دلا رہا ہوں اور اب تو خدا تعالیٰ دنیا کو کھینچ کر سادہ زندگی کی طرف لا رہا ہے۔ اب یہ عام شکایت پیدا ہو رہی ہے کہ کپڑا نہیں ملتا، جُرابیں نہیں ملتیں، بُنیانیں نہیں ملتیں اور جو چیز ملتی ہے وہ ایسی گراں ہے کہ اسے خریدنا مشکل ہے اور اگر جنگ لمبی ہوگئی تو شاید چند کروڑ پتی ہی ایسے ہوں گے جو اِن چیزوں کو خرید سکیں ورنہ باقی سب کو مجبوراً اپنی زندگی میں سادگی اختیار کرنی پڑے گی۔ آج ہزاروں لوگ ہیں جو مجبور ہو کر اسے اختیار کر رہے ہیں اور جن احمدیوں نے میرے کہنے پر اسے اختیار کیا وہ کتنے فائدہ میں رہے کہ اس سے اُنہیں ثواب بھی حاصل ہو گیا۔ میری طرف سے اس تحریک کے بعد مختلف ممالک میں حُکماً وہی باتیں جاری کی گئیں۔ مسولینی نے حُکم دیا کہ گوشت کی صرف ایک ہی پلیٹ استعمال کی جائے، جرمنی میں بھی ایسے احکام دیئے گئے ہیں

اور ڈاکٹر گوئبلز نے کہا ہے کہ جب تک تمام لوگ اپنے اخراجات میں بچت نہ کریں گے کام نہ چل سکے گا۔ امریکہ میں مسٹر رینڈل ولکی نے جو انتخابِ صدر کے موقع پر مسٹر روز ویلٹ کے مدِّ مقابل تھے کہا ہے کہ ہمیں اپنے کھانے پینے اور پہننے میں پوری پوری سادگی سے کام لینا چاہئے۔ انگلستان میں بھی خود بخود اپنے کھانے اور پہننے پر قیود عائد کر لی گئی ہیں پس وہی تحریک جدید جو میں نے جاری کی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے سب ممالک کے لئے جبری قرار دیدیا ہے اور شاید ہندوستان میں بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ لوگ مجبور ہو کر اسے اختیار کریں بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ایسے دن آ رہے ہیں کہ روٹی روتے ہوئے گلے سے اُتر سکے گی مگر احمدی مطمئن ہوں گے کہ ہم نے اپنے خلیفہ کی بات مان لی اور اس طرح ثواب بھی حاصل کر لیا۔ جو چیز دوسرے لوگوں نے مجبور ہو کر کی وہ ہمارے لئے ثواب کا موجب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی ہمیں خدمتِ خلق کے لئے دی ہے اور اگر کھانے پینے پہننے بیٹھنے اُٹھنے میں تکلیف ہو تو ایسے اثرات پیدا ہوں گے کہ یہ مقصد پورا نہ ہو سکے گا اور امیر وغریب اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔ ہمارے ملک میں امیروں اور غریبوں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے وہ ایک دوسرے سے میل جول اور کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ پیروں نے بھی ان کو غلط راستہ پر لگا دیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے ابھی تک بعض لوگ مجھے ملنے آتے ہیں تو وہ پیروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتے ہیں ان کو ہزار منع کرو وہ سمجھتے ہیں کہ بطور انکسار منع کرتے ہیں ورنہ ہمیں ضرور ایسا ہی کرنا چاہئے۔ اُن پیروں نے کس طرح انسانیت کو ذلیل کر دیا ہے میں تو کہتا ہوں اگر کوئی حکومت آئے تو سب سے پہلے ان کو پکڑے۔ ان سب کو کنسنٹریشن[12] (CONCENTRATION) کیمپوں میں بھیج دینا چاہئے۔

احمدیت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے قائم کیا ہے کہ انسانیت کو بلند کیا جائے لیکن ابھی تک احمدیوں میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم منع کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ انکسار کرتے ہیں حالانکہ مجھے ان باتوں سے سخت تکلیف ہوتی ہے میرے سامنے جب کوئی ہاتھ جوڑتا ہے تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے مار رہا ہے اور دراصل کسی کے ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مار پڑ رہی ہے کہ احمدی جماعت ابھی تک قوم کی اصلاح میں کامیاب نہیں ہوئی۔ پس امیر وغریب کا امتیاز نہایت خطرناک چیز ہے اور اسے جلد از جلد مٹانا ہمارا فرض ہے۔ میرا ایک عزیز تھا میرے منہ سے ''تھا'' نکلا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہے مجھے اس سے محبت نہیں عشق تھا مگر ایک دفعہ اس کے منہ سے یہ فقرہ نکلا کہ فلاں علاقہ کے احمدی بھی

عجیب ہیں نہ موقع دیکھتے ہیں اور نہ وقت اور ملنے آ جاتے ہیں۔ پس اُس دن کے بعد سے میں اپنے اور اسکے درمیان ایک دیوار حائل پاتا ہوں۔ یہ ذہنیت نہایت خطرناک ہے اور جب تک ہم اس سانپ کا سر نہیں کُچل دیتے اُس وقت تک اسلام کو دنیا میں غالب نہیں کر سکتے۔ جب تک یہ ذہنیت موجود رہے گی کہ تم اَور ہو اور میں اَور ہوں اور اگر ہم میں تو نہیں مگر ہماری اولادوں میں یہ ذہنیت موجود رہے گی تو کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی۔

مسلمان کی زندگی تکلّفات سے پاک ہونی چاہئے

میں نے کَل ہی سنایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد ایک زمانہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک جگہ کا گورنر بنا دیا گیا۔ اُنہی ایام میں ایران کی فوجوں کو شکست ہوئی اور جو اموال کسریٰ کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان میں وہ رومال بھی تھا جو کسریٰ اپنے تخت پر بیٹھنے کے وقت استعمال کیا کرتا تھا۔ اموال کی جب تقسیم ہوئی تو وہ رومال حضرت ابو ہریرہؓ کے حصہ میں آیا۔ اب بھلا ایک سیدھے سادے مسلمان کی نگاہ میں یہ چیز کیا حقیقت رکھتی تھی اتفاقاً انہیں کھانسی ہوئی اور انہوں نے بلغم اُس رومال میں پھینک دی اور پھر کہنے لگے بَخٍ بَخٍ ابو ہریرہ یعنی واہ بھئی ابو ہریرہ۔ لوگوں نے پوچھا کہ اِس کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں سننے کے شوق میں مَیں ہر وقت مسجد میں بیٹھا رہتا تھا اور اِس وجہ سے کئی کئی فاقے آتے تھے اور میں شدتِ ضُعف کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے مرگی کا دورہ پڑا ہے اور چونکہ عربوں میں رواج تھا کہ جب کسی کو مرگی کا دورہ ہو تو اُسے جُوتیاں مارتے تھے اسلئے میرے سر پر جُوتیاں مارتے تھے۔ کُجا تو وہ حالت تھی اور کُجا آج یہ حالت ہے کہ وہ رومال جو کسریٰ تخت پر بیٹھنے کے وقت استعمال کرتا تھا وہ میرے قبضہ میں ہے اور میں اس میں بلغم پھینک رہا ہوں۔ اس طرح گویا حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ بتایا کہ مؤمن کو چاہئے کہ ظاہری تکلّفات میں مبتلا نہ ہو۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں کو بھی چاہئے کہ اپنی زندگی ایسی بنائیں کہ امیر وغریب کا کوئی فرق نظر نہ آئے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے جب بھی میں کسی دعوت وغیرہ میں جاتا ہوں تو وہاں ایک جگہ نمایاں طور پر گاؤ تکیہ وغیرہ لگا ہوتا ہے۔ میں نے ہمیشہ منع کیا ہے مگر پھر بھی دوست ان باتوں کو چھوڑتے نہیں۔

وقفِ زندگی

تبلیغ کے لئے تیاری کے ضمن میں ایک اور ضروری تحریک وقف زندگی کی ہے۔ پہلے پہل جب تحریک کی گئی تو بہت سے نوجوانوں نے اپنے نام پیش کئے تھے

مگر اب اتنے نہیں کرتے اس لئے مَیں پھر دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ تبلیغ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ آج وہ دن ہیں کہ انسان چنوں کی طرح بُھونے جا رہے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ خود ہی اپنی جانوں کو خدا تعالیٰ کے لئے دے دیں۔ آج جب ہر چیز پر وبال آ رہا ہے تو کیا اسے خدا تعالیٰ کی راہ میں صَرف کر دینا بہتر نہیں۔ پس گریجوایٹ یا انٹرنس پاس مولوی فاضل اپنی زندگیوں کو وقف کریں۔ جلد از جلد ضرورت ہے کہ نوجوان اپنے نام پیش کریں۔ جو نوجوان آج اپنے آپ کو پیش کریں وہ چھ سال میں تیار ہو سکیں گے۔ شاید اِس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اِس وقت جو اُستاد ہمیں ملے ہیں وہ بوڑھے ہیں۔ ممکن ہے جب موجودہ نوجوان تیار ہو جائیں تو یہی کورس چار سال میں ختم کرایا جا سکے۔ بہرحال آج زندگی وقف کرنے والے نوجوانوں کی ضرورت ہے تا ابھی سے ان کی تیاری کا کام شروع کر دیا جائے۔ اِس وقت گو ہندوستان سے باہر مبلّغ نہیں بھیجے جا سکتے مگر جنگ کے بعد بہت ضرورت ہوگی۔ فِی الحال ہمیں ہندوستان میں ہی تبلیغ کے کام کو بڑھانا چاہئے اور باہر کا جو راستہ بند ہو چکا ہے اس کا کفارہ یہاں ادا کرنا ضروری ہے۔ پس کیوں نہ ہم یہاں اتنا زور لگائیں کہ جماعت میں ترقی کی رفتار سَوائی یا ڈیوڑھی ہو جائے اور دو تین سال میں ہی جماعت دُگنی ہو جائے۔ جب تک ترقی کی یہ رفتار نہ ہو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے سامنے بہت بڑا کام کیا ہے؟ پونے دو ارب مخلوق ہے جسے ہم نے صداقت کو منوانا ہے اور جب تک باہر کے راستے بند ہیں ہندوستان میں ہی کیوں نہ کوشش زیادہ کی جائے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم تبلیغ کا کام نہیں کر سکتے کیونکہ ہم عالم نہیں ہیں۔ مجھے تو یہ کبھی سمجھ نہیں آئی کہ ایک احمدی یہ خیال کس طرح کر سکتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ احمدی سے زیادہ عالم اور کون ہو سکتا ہے۔ دوسرے لوگ تو اگر جہالت کی بات بھی جانیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ عالم ہو گئے ہیں مگر بعض احمدی اِس قدر دینی امور سے واقفیت رکھنے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ وہ علم نہیں رکھتے اور اس وجہ سے تبلیغ نہیں کر سکتے۔ میرے ایک دوست نے جو عزیز بھی ہیں سنایا کہ وہ ایک دفعہ شکار کے لئے گئے اور ایک ہرن شکار کیا۔ اُن کا نوکر ساتھ تھا وہ ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ کیا آپ کو ہرن ذبح کرنے کی تکبیر آتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ہر جانور ذبح کیا جاتا ہے۔ وہ کہنے لگا بس معلوم ہو گیا آپ کو ہرن کی تکبیر نہیں آتی۔ انہوں نے کہا کہ وہ کیا تکبیر ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہرن کو لِٹا کر اُس کی گردن پکڑ کر کہنا چاہئے کہ تُو لوگوں کے کھیت کھاتی اور مزے اُڑاتی تھی اب آئی تیری شامت اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اب دیکھو وہ بے چارہ ایک جہالت کے

خیال میں مبتلاء تھا مگر اسے بھی علم سمجھ کر لوگوں میں پھیلانا چاہتا تھا۔ مگر تمہیں اتنے علوم سکھائے گئے ہیں پھر بھی تم سمجھتے ہو کہ تم عالم نہیں ہو۔ کونسا علم ہے جو قرآن کریم میں نہیں؟ تم عِلْمُ النفس اور دوسرے علوم کے وہ مسائل جو تمہیں سکھائے گئے ہیں دوسروں کو سناؤ تو بڑے بڑے عالم حیران ہو جائیں۔ میں تو حیران ہوا کرتا ہوں کہ ایک احمدی کس طرح یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسے کچھ نہیں آتا۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر انسان پر فرشتے نازل ہوں؟ اور ہر انسان اسی صورت میں سمجھ سکتا ہے کہ اسے فرشتے سمجھانے کے لئے آئیں؟ جو علم نہیں رکھتے وہ دوسروں کے علوم سے کیوں فائدہ نہیں اُٹھاتے؟ سلسلہ کی کتب اور اخبار و رسائل کیوں نہیں پڑھتے؟ اور اس طرح علم حاصل کیوں نہیں کرتے؟

ہندوؤں میں تبلیغ

یاد رکھو کہ ہمارے ذمہ دنیا کی فتح کا کام ڈالا گیا ہے اور یہ کام بہت اہم ہے۔ اس کے لئے ایک بہت بڑی جماعت کی ضرورت ہے اور اس واسطے ہندوستان میں جماعت کا بڑھانا بہت ضروری ہے اور تبلیغ کرتے ہوئے غیر قوموں کی طرف خصوصیت سے توجہ کی ضرورت ہے۔ اِس ملک میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت تین گُنا ہے۔ صرف برطانوی ہندوستان کی آبادی ۳۲، ۳۳ کروڑ ہے اور اس میں سے صرف تین چار ہزار کا سال بھر میں احمدی ہونا کوئی کام نہیں اس لئے تبلیغ کی طرف بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ بِالخصوص ہمسایہ اقوام کے سامنے محبت اور پیار سے اسلام کو پیش کرنا چاہئے۔ ان سے کہو کہ تم ہمیں تبلیغ کرو اپنی باتیں سناؤ اور ہماری سنو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بات چیت کرنی ہو تو اپنا کوئی پنڈت یا گیانی لاؤ یہ ٹھیک نہیں۔ ایسی باتوں کی وجہ سے ہی وہ گھبراتے ہیں اور بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ کُھلے دل سے ان کی باتیں سنو اِس میں گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ آخر کار وہ تمہارے ساتھ شامل ہونگے۔ پانی ہمیشہ نیچے کی طرف ہی بہتا ہے تم بہت اونچے ہو اِس لئے پانی انہیں کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اِس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ہندو قوم کو ترقی دینا چاہتا ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ ان بنیوں کو دین کی حکومت عطا کرے مگر یہ لوگ سَوراج کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اُس عزت سے بے پروا ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو دینا چاہتا ہے اور جو اسلام کو قبول کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ احمدیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ تمام ہندوستانیوں کی عزت بڑھے گی۔ عربوں نے ایک زمانہ میں اسلام کی خدمت کی تھی اور اس وجہ سے آج گو وہ ہر لحاظ سے گر چکے ہیں پھر بھی مسلمان ان کی خدمت کرتے ہیں۔ جہاں کوئی عرب نظر آئے اُسے خوش آمدید کہتے ہیں اور کہتے ہیں

آیئے عرب صاحب! آیئے عرب صاحب! تو جہاں جہاں احمدیت پھیلے گی وہاں جو ہندوستانی جائے گا وہاں کے احمدی اس کی عزت کریں گے اور کہیں گے کہ یہ ہمارے سردار ہیں۔ اُس ملک سے آئے ہیں جس میں قادیان واقع ہے۔ انہیں عزت سے بٹھائیں گے اور ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کریں گے تو اسلام اور احمدیت کی ترقی کے ساتھ ہندوستانیوں کی عزّت بھی بڑھے گی اور ہر جگہ احمدی ان کی عزت کریں گے۔ یہاں سے چونکہ انہیں ہدایت حاصل ہوئی ہوگی اس لئے اِس ملک کے ہر باشندہ کو خواہ وہ ہندو ہو یا سِکھ، عیسائی ہو یا کسی اور مذہب کا، دیارِ محبوب کا باشندہ سمجھ کر اس کی عزت کریں گے۔

اب دیکھو! اِس عزت کے مقابل میں سَوراج کی حقیقت ہی کیا ہے مگر افسوس کہ ہندوؤں نے اِس سوال کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا۔ پہلے جو نبی آتے تھے وہ مخصوص قوموں اور مخصوص مُلکوں کے لئے ہوتے تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ہدایت کے لئے مأمور فرمایا ہے اور احمدیت نے دنیا کے کناروں تک پھیلنا ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے کناروں تک ہندوستانیوں کا روحانی ادب اور رُعب قائم کرے گا۔

میں نے سَوراج کا ذکر کیا ہے پہلے جنگی خطرات کا ذکر مَیں کر چکا ہوں اس لئے ضمناً اس کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ سوال بہت اہم ہے اور موجودہ وقت میں حکومت اور رعایا میں لڑائی بہت نازک اور خطرناک ہے اور ملک کا ہر ایک بہی خواہ اسے دور کرنے کی کوشش میں ہے۔ اِس وقت کانگرس مُلکی حکومت کے لئے مطالبہ کر رہی ہے۔ مسلم لیگ اس کی اس وجہ سے مخالف ہے کہ جب تک مسلمانوں کے حقوق کا فیصلہ نہ ہو کوئی نیا نظام قائم نہیں کرنا چاہیئے اور حکومت کہہ رہی ہے کہ جب تک ہندو مسلمان متحد نہ ہوں ہم کچھ نہیں دے سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان تینوں میں اِس وقت اختلافات ہیں اور ہم جو نہ تین میں ہیں اور نہ تیرہ میں۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ موقع بہت اہم ہے۔ اِس وقت مُلکی فضاء کو درست کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرنی چاہیئے تا مُلک سے فساد دور ہو مگر افسوس ہے کہ جتنا یہ سوال اہم ہے اتنا ہی اِس کی طرف وہ توجہ نہیں دی جا رہی جو دی جانی چاہیئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں ہی سنجیدگی سے کام نہیں لے رہے۔ پہلے مَیں حکومت کی پوزیشن کو لیتا ہوں۔ انگریز کہتے ہیں کہ پہلے ہندو مسلمان متحد ہوں اور کوئی متفقہ مطالبہ پیش کریں پھر ہم مزید حقوق دینے کے سوال پر غور کریں گے اور بظاہر یہ بات معقول نظر آتی ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ انگریز بے چارے کیا کریں۔

جب یہ دونوں قومیں آپس میں پہلے ہی لڑ رہی ہیں تو اگر انگریز حقوق دے بھی دیں تو اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی مگر غور کیا جائے تو یہ جواب درست نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہندو مسلمان آپس میں صلح کر لیں اور کامل آزادی کا مطالبہ کریں تو کیا انگریز یہ مطالبہ پورا کر دیں گے اور ہندوستان کو مکمل آزادی دے دیں گے؟ میں نے تو کبھی اِن کی طرف سے کوئی ایسا اعلان نہیں پڑھا اور جب وہ اس کے لئے تیار ہی نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مزید حقوق کے لئے اِس اختلاف کو عُذر بنایا جائے اور کہا جائے کہ اگر ہندو مُسلم صلح کر لیں تو ہندوستان کو مزید حقوق مل جائیں گے۔ اگر حکومت کی نیت واقعی یہ ہوتی کہ ہندو مسلمان آپس میں صلح کر لیں تو اُسے چاہئے تھا کہ بتا دیتی کہ اگر یہ صلح ہوئی تو وہ کیا حقوق دے گی اور یہ کہ اگر ہندو مسلمانوں نے صلح نہ کی تو وہ کیا قدم اُٹھائے گی۔ اگر ہندو مُسلم اتفاق کے بعد بھی وہ آزادیٔ کامل دینے کے لئے تیار نہیں تو پھر اس کا یہ جواب صریحاً غلط ہے جو وہ کانگرس کو دیتی ہے۔ گورنمنٹ کا یہ جواب اِس لئے بھی غلط ہے کہ وہ پہلے ہندو مسلمانوں اور سکھوں میں اختلافات کے باوجود بعض حقوق دے چکی ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۳۵ء جو ہے اِس کے متعلق بھی تو ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں میں اتفاق نہ تھا اور اِس اتفاق کے نہ ہونے کے باوجود اس نے حقوق دے کر یہ بتا دیا ہے کہ ہندوستان کو حقوق دینے کے لئے وہ اِن قوموں کے اتحاد کو ضروری نہیں سمجھتی۔ پھر جب وہ پہلے ایسا کر چکی ہے تو اب یہ شرط کیوں لگاتی ہے؟ ہاں اگر انگریز ہندوستان کو بالکل اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہتے ہوں (جس طرح ڈومینیئنز (DOMINIONS) کو ان کے حال پر چھوڑا گیا ہے ورنہ میں اس قسم کی آزادی کا قائل نہیں کہ ہندوستان برطانوی امپائر سے الگ ہو جائے۔ یہ زمانہ مُلکوں میں اتحاد پیدا کرنے کا ہے نہ کہ نئی کُلّی آزاد حکومتوں کے بنانے کا) اور اس ملک کو کامل آزادی دے دینے کا فیصلہ کر چکے ہوں تو پھر حکومت کا یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے کہ جب تک ہندو مسلمانوں میں صلح اور اتفاق نہ ہو ہم آزادی کیسے دیدیں کیونکہ جب مختلف قوموں میں اِس وقت بھی فساد ہو رہے ہیں تو آزادی حاصل ہونے کے بعد اور زیادہ ہونگے۔ پس میرے نزدیک اگر گورنمنٹ واقعی ملک میں امن چاہتی ہے اور ہندو مسلمانوں میں صلح کی خواہش مند ہے تو اسے اعلان کر دینا چاہئے کہ اگر یہ قومیں متحد ہو کر اور متفقہ مطالبہ لے کر آئیں تو ہم ہندوستان کو کُلّی آزادی دے دیں گے۔ یا پھر دوسری بات دیانت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ وہ اعلان کرے کہ اگر یہ صلح نہ ہوئی تو پھر اس کا رویہ کیا ہوگا۔ مثلاً اسے اعلان کر دینا چاہئے کہ اس صورت میں وہ کچھ نہ دے گی اِس سے بھی صلح

کی طرف توجہ ہو جائے گی۔ پس صحیح طریق یہ ہے کہ حکومت اعلان کر دے کہ صلح کر لو تو کامل آزادی دے دی جائے گی اور یہ کہ اگر صلح نہ کرو گے تو کچھ نہ دیا جائے گا۔ اِس کا موجودہ طریق تو یہ ہے کہ وہ ہندو مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کے باوجود مزید تبدیلی حکومت میں کر دیتی ہے اور پھر جب اگلا مطالبہ ہوتا ہے تو کہتی ہے کہ پہلے صلح کرو اور پھر آؤ اور یہ بالکل غلط طریق ہے۔ اگر وہ اس طریق کو اختیار کرے جو میں نے پیش کیا ہے تو اِس سے ان لوگوں کو تقویت حاصل ہوگی جو چاہتے ہیں کہ جنگ کے دنوں میں حکومت اور رعایا میں صلح ہونی چاہئے۔ اگر حکومت نے سمجھوتہ کے بغیر بھی حقوق دے دینے ہیں یا سمجھوتہ کے بغیر بھی کامل آزادی نہیں دینی تو پھر سمجھوتہ کا سوال اُٹھانا دیانتداری نہیں۔ اور حکومت کو چاہئے کہ اس رویہ کو فوراً بدل دے۔ یُوں تو وائسرائے ہند اور سب گورنر بھی یہ کہتے ہیں کہ صلح کر لینی چاہئے مگر انہیں یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ صلح کے لئے کوئی ماحول بھی تو ہونا چاہئے۔ ہندوستانیوں کے مطالبہ کا جو جواب حکومت دیتی ہے وہ صلح کے لئے ماحول پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوسکتا۔ جنگ سے ڈرا کر صلح کا مطالبہ تسلی دینے والا جواب نہیں اور ایسے جوابات سے دل صاف نہیں ہوتے۔ ایسے جوابات سے دلوں میں بُغض بڑھ جاتا ہے کیونکہ دوسرا فریق خیال کرتا ہے کہ میری مشکل سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دوسری طرف کانگرس اپنی بات پر مُصِرّ ہے وہ حکومت سے کہتی ہے کہ ہم خود صلح کر لیں گے تم بہرحال ہمیں حقوق دے دو یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ اسے اصولی معیّن بات کرنی چاہئے یا تو وہ صاف لفظوں میں یہ کہہ دے کہ مسلمانوں کی رائے کا مُلک کے آئندہ انتظام میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں ان کی آبادی کی نسبت تین اور ایک کی ہے اور ڈیموکریسی کا اصول یہ ہے کہ تین ایک پر حکومت کریں۔ اِس سے مسلمان اپنی پوزیشن کو سمجھ لیں گے اور انہیں پتہ لگ جائے گا کہ آئندہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور وہ اپنے لئے جو راستہ موزوں سمجھیں گے اختیار کر لیں گے۔ پس ہندوؤں کو چاہئے کہ یا تو یہ اعلان کر دیں کہ آئندہ نظام میں اکثریت کی رائے ہی مانی جائے گی خواہ وہ خالصتہً ہندو ہی کیوں نہ ہو اور یا پھر یہ بتائیں کہ یہ اندرونی جھگڑے کس طرح طے ہوں گے؟ اور اگر وہ تسلیم کر لیں کہ مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا اور اقلیتوں کو بہرحال مطمئن کیا جائے گا اور ان کی رائے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا تو پھر وہ سوچیں کہ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں فیصلہ اور سمجھوتہ نہ ہو انگریز اگر حقوق دیں تو کِسے دیں اور اس طرح وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کرکے گویا اِس بات کی

تصدیق کرتے ہیں کہ انگریزوں کی طرف سے جو جواب دیا جاتا ہے وہ صحیح ہے ہاں اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنا ہی نہیں چاہتے تو بھی صاف کہہ دیں کہ مسلمانوں کی کوئی پروا نہ کی جائے گی۔ اکثریت کی حکومت ہوگی بہرحال انہیں اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنی چاہیئے۔ ہم نے کانگرس سے دریافت کیا تھا کہ آیا کانگرسی حکومت میں تبلیغ اور تبدیلیٔ مذہب کی اجازت ہوگی اِس کا جواب یہ ملا کہ فلاں ریزولیوشن دیکھو۔ ہم نے لکھا کہ اس کے معنی ہم پر واضح نہیں ہیں وضاحت سے بتایا جائے کہ اِس کا کیا مطلب ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ ہم کسی ریزولیوشن کے معنے کرنے کے مجاز نہیں ہیں تو یہ کتنی دھوکا بازی ہے کہ صفائی سے کوئی بات کی ہی نہیں جاتی۔ تیسرا فریق مسلم لیگ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ جب تک اس کے ساتھ کانگرس کوئی فیصلہ نہ کرے کوئی حقوق مُلک کو نہ دیئے جائیں تو کیا اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ راضی نہ ہوں تو سارا ملک ہی حقوق سے محروم رہے؟ اگر یہ اصول مان لیا جائے تو پھر تو اقلیتیں سب کچھ ہی لُوٹنے کی کوشش کریں گی کیونکہ انہیں علم ہوگا کہ ہماری رضامندی کے بغیر تو کوئی قوم بھی کچھ نہیں لے سکتی اس لئے لازمی طور پر ہمیں راضی کیا جائے گا اور یہ کہاں کی دیانتداری ہے پھر میں نے دیکھا ہے کہ اسمبلیوں میں مسلم لیگ کے ممبر زیادہ تر آزادی کے حق میں اور گورنمنٹ کے خلاف ہی رائے دیتے ہیں اور مسلم لیگ پارٹی کوشش کرتی ہے کہ ہر ایک معاملہ میں گورنمنٹ کو شکست دِلوائے اور اس طرح وہ اعلانیہ کانگرس کے مطالبہ کی تائید کرتی ہے۔ پس مسلم لیگ کا یہ مطالبہ کہ جب تک وہ راضی نہ ہو مُلک کو کوئی حقوق ہی نہ دیئے جائیں ایسا ہے کہ زیادہ دیر تک اصلاحات میں تعویق ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسی اُلجھن ہے کہ اسے دُور کرنا حکومت کا فرض ہے اور ہندو مسلمانوں کے سمجھوتہ کو جو وہ روک ظاہر کر رہی ہے وہ بالکل نامناسب ہے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم جب نافذ کی گئی اُس وقت بھی ہندو مسلمان متحد و متفق نہ تھے۔ پھر جب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے نتیجہ میں ہندوستان کو کچھ مزید حقوق دیئے گئے اُس وقت بھی ان میں سے کوئی راضی نہ تھا اور ان موقعوں پر حکومت نے ہندوستان کو حقوق دے کر عملاً بتا دیا کہ وہ ہندو مسلمانوں کے سمجھوتہ کے بغیر بھی حقوق دینے کو تیار ہے اس لئے جو جواب وہ اِس وقت دے رہی ہے وہ معقول تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اور موجودہ اُلجھن کا یہی حل ہے کہ حکومت جو کچھ دینا چاہتی ہے اس کا اعلان کر دے۔ اس سے قبل حکومت ثالث کی حیثیت اپنے لئے قبول کر چکی ہے اور اس نے اس حیثیت سے دو فیصلے کئے ہیں اور اسی طرح اب تیسرا بھی کرسکتی ہے۔

ہندو مسلمانوں کے اتفاق کا عُذر درست نہیں۔ کیا جب انگریز یہاں آئے تھے تو ہندو مسلمانوں سے پوچھ کر اور ان کی رضامندی سے آئے تھے؟ ان کے یہاں آنے کی تصدیق کس نے کی تھی؟ جب انہوں نے ہندوستان پر قبضہ ہندو مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر کر لیا تھا تو اب اسے چھوڑنے کے لئے وہ ان کی رضامندی کو اِس قدر ضروری کیوں سمجھتی ہے؟ جب وہ ان دونوں کی رضامندی کے بغیر یہاں آ گئی تھی تو گویا اس نے اِس اصل کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ ان کی رضامندی کی پابند نہیں تو پھر اب اسی اصل کے مطابق جو دینا چاہتی ہے دے دے۔ اسے چاہئے کہ اعلان کر دے کہ اس کے نزدیک اِس اِس طرح سب قوموں کے حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں لیکن اگر یہاں کی مختلف قومیں آپس میں کوئی فیصلہ کر لیں تو وہ اسے منظور کر لے گی۔ میرے خیال میں حکومت کو چاہئے کہ اعلان کر دے کہ جنگ کے ختم ہونے کے ایک سال بعد ہندوستان کو درجہ نو آبادیات دے دیا جائے گا اور مختلف اقوام کے حقوق برطانوی حکومت ان قوموں کے ان نمائندوں سے مشوروں کے بعد جو اسے مشورہ دینے پر آمادہ ہوں خود مقرر کر دے گی۔ ہاں اس سے پہلے پہلے اگر ہندو مسلمان کوئی متفقہ مطالبہ ہمارے سامنے لے آئیں گے تو اُسے مان لیا جائے گا۔ یہ طریق دیانتدارانہ ہے اور حکومت کو چاہئے کہ اسے اختیار کرے۔ اِس اعلان کے نتیجہ میں یقیناً ہندو مسلمانوں کو مناسب سمجھوتہ کی طرف توجہ ہوگی ورنہ موجودہ وقت میں ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ آخر تنگ آ کر حکومت کچھ نہ کچھ دے دے گی اور وہ ڈیماکریسی کے اصول پر ہی ہوگا جس سے بہرحال ہندوؤں کو ہی فائدہ پہنچے گا اور مسلمان خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنے گلے پر چُھری کیوں پھیریں۔ وہ کیوں نہ زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرنے کے لئے لڑتے رہیں تو اِس طرح باہمی اختلاف کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ (الفضل ۹، ۱۶، ۱۷ رجنوری۔ ۸، ۱۰، ۱۱ رفروری ۱۹۴۲ء)

اب میں احباب کو مجلس انصار اللہ اور مجلس خدام الاحمدیہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جماعت کے احباب یا چالیس سال سے کم عمر کے ہیں یا چالیس سال سے زیادہ کے اور میں نے چالیس سال سے کم عمر والوں کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ اور زیادہ عمر والوں کے لئے مجلس انصار اللہ قائم کی ہے یا پھر عورتیں ہیں ان کے لئے لجنہ اماء اللہ قائم ہے۔

میری غرض ان تحریکات سے یہ ہے کہ جو قوم بھی اصلاح و ارشاد کے کام میں پڑتی ہے اس کے اندر ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے کہ اور لوگ ان کے ساتھ شامل ہوں اور یہ خواہش کہ اور لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں جہاں جماعت کو عزت اور طاقت بخشتی ہے وہاں بعض اوقات

جماعت میں ایسا رخنہ پیدا کرنے کا موجب بھی ہو جایا کرتی ہے جو تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ جماعت اگر کروڑ دو کروڑ بھی ہو جائے اور اس میں دس لاکھ منافق ہوں تو بھی اس میں اتنی طاقت نہیں ہوسکتی جتنی کہ اگر دس ہزار مخلص ہوں تو ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چند صحابہؓ نے جو کام کئے وہ آج چالیس کروڑ مسلمان بھی نہیں کر سکتے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی تو ان کی تعداد سات سَو تھی۔ صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپؐ نے اِس واسطے مردم شماری کرائی ہے کہ آپؐ کو خیال ہے کہ دشمن ہمیں تباہ نہ کر دے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اب تو ہم سات سَو ہو گئے ہیں کیا اب بھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ہمیں تباہ کر سکے گا۔[۳۱] یہ کیا شاندار ایمان تھا کہ وہ سات سَو ہوتے ہوئے یہ خیال تک بھی نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن انہیں تباہ کر سکے گا مگر آج صرف ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں مگر حالت یہ ہے کہ جس سے بھی بات کرو اندر سے کھوکھلا معلوم ہوتا ہے اور سب ڈر رہے ہیں کہ معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔ کُجا تو سات سَو میں اتنی جرأت تھی اور کُجا آج سات کروڑ بلکہ دنیا میں چالیس کروڑ مسلمان ہیں مگر سب ڈر رہے ہیں اور یہ ایمان کی کمی کی وجہ سے ہے جس کے اندر ایمان ہوتا ہے وہ کسی سے ڈر نہیں سکتا۔

ایمان کی طاقت بہت بڑی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا واقعہ ہے ایک دفعہ آپ گورداسپور میں تھے میں وہاں تو تھا مگر اس مجلس میں نہ تھا جس میں یہ واقعہ ہوًا۔ مجھے ایک دوست نے جو اس مجلس میں تھے سنایا کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور بعض دوسرے احمدی بہت گھبرائے ہوئے آئے اور کہا کہ فلاں مجسٹریٹ جس کے پاس مقدمہ ہے لاہور گیا تھا آریوں نے اُس پر بہت زور دیا کہ مرزا صاحب ہمارے مذہب کے سخت مخالف ہیں ان کو ضرور سزا دے دو خواہ ایک ہی دن کی کیوں نہ ہو، یہ تمہاری قومی خدمت ہوگی اور وہ ان سے وعدہ کر کے آیا ہے کہ میں ضرور سزا دوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بات سنی تو آپؑ لیٹے ہوئے تھے یہ سنکر آپؑ کُہنی کے بل ایک پہلو پر ہو گئے اور فرمایا خواجہ صاحب آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ **کیا کوئی خدا تعالیٰ کے شیر پر بھی ہاتھ ڈال سکتا ہے** چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مجسٹریٹ کو یہ سزا دی کہ پہلے تو اُس کا گورداسپور سے تبادلہ ہو گیا اور پھر اُس کا تنزّل ہو گیا یعنی وہ ای اے سی سے منصف بنا دیا گیا اور فیصلہ دوسرے مجسٹریٹ نے آ کر کیا تو ایمان کی طاقت بڑی زبردست ہوتی ہے اور کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس جماعت میں نئے لوگوں کے شامل ہونے کا اس صورت میں فائدہ ہو

سکتا ہے کہ شامل ہونے والوں کے اندر ایمان اور اخلاص ہو صرف تعداد میں اضافہ کوئی خوشی کی بات نہیں۔ اگر کسی کے گھر میں دس سیر دودھ ہو تو اُس میں دس سیر پانی ملا کر وہ خوش نہیں ہو سکتا کہ اب اُس کا دودھ بیس سیر ہو گیا ہے۔ خوشی کی بات یہی ہے کہ دودھ ہی بڑھایا جائے اور دودھ بڑھانے میں ہی فائدہ ہو سکتا ہے۔

جو قومیں تبلیغ میں زیادہ کوشش کرتی ہیں اُن کی تربیت کا پہلو کمزور ہو جایا کرتا ہے اور اِن مجالس کا قیام مَیں نے تربیت کی غرض سے کیا ہے چالیس سال سے کم عمر والوں کے لئے خدام الاحمدیہ اور چالیس سال سے اوپر عمر والوں کے لئے انصار اللہ اور عورتوں کے لئے لجنہ اماء اللہ ہے۔ ان مجالس پر دراصل تربیتی ذمہ داری ہے۔ یاد رکھو کہ اسلام کی بنیاد تقویٰ پر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک شعر لکھ رہے تھے ایک مصرع آپؑ نے لکھا کہ:-

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

اُسی وقت آپؑ کو دوسرا مصرع الہام ہوا جو یہ ہے کہ:

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اِس الہام میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اگر جماعت تقویٰ پر قائم ہو جائے تو پھر وہ خود ہر چیز کی حفاظت کرے گا نہ وہ دشمن سے ذلیل ہوگی اور نہ اسے کوئی آسمانی یا زمینی بلائیں تباہ کر سکیں گی۔ اگر کوئی قوم تقویٰ پر قائم ہو جائے تو کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔

قرآن کریم کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الٓمّٓ ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔[14] لَا رَیْبَ فِیْہِ تو قرآن کریم کی ذاتی خوبی بتائی اور دوسروں سے تعلق رکھنے والی خوبی یہ بتائی کہ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی یہ کلام متقی پر اثر کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص تو روٹی کھاتا اور اس سے طاقت حاصل کر کے کھڑا ہوتا ہے اور دوسرے کو دو آدمی پکڑ کر کھڑا کرتے ہیں۔ غیر متقی کو جو ہدایت ہوتی ہے وہ تو ایسی ہوتی ہے جیسے دو آدمی کسی کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیں مگر جو متقی ہے وہ اس سے غذا لیتا اور طاقت حاصل کرتا ہے۔ ہم اگر ترقی کر سکتے ہیں تو قرآن کریم کی مدد سے ہی۔ اور قرآن کریم کہتا ہے کہ اس کی غذا متقی کے لئے ہی طاقت اور قوت کا موجب ہو سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے معدہ میں کوئی خرابی ہو تو اُسے گھی، دودھ، مرغ، بادام، پھل اور کتنی اعلیٰ غذائیں کیوں نہ کھلائی جائیں اُسے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ اُلٹا اُسے ہیضہ ہو جائے گا۔ غذا اُسی صورت میں فائدہ دے سکتی ہے جب وہ ہضم ہو اگر ہضم نہ

ہو تو اُلٹا نقصان کرتی ہے اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ غذا ایسی ہے جو مؤمن کے معدہ میں ہی ٹھہر سکتی ہے۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ ہم نے قرآن کریم سے فائدہ اُٹھانا ہے اور اِس سے فائدہ اُٹھائے بغیر ہم کوئی ترقی نہیں کر سکتے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے کہ۔ "کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ[15] یعنی تمام برکت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے پس بڑا ہی مبارک ہے وہ جس نے سکھایا اور بڑا ہی مبارک ہے وہ جس نے سیکھا۔ اس میں محمدؐ سے مراد دراصل قرآن کریم ہی ہے کیونکہ آپؐ ہی قرآن کریم کے الفاظ لائے ہیں۔ پس جماعت کا تقویٰ پر قائم ہونا بے حد ضروری ہے۔ اِس زمانہ میں مؤمن اگر ترقی کر سکتے ہیں تو قرآن کریم پر چل کر ہی۔ اور اگر یہ غذا ہضم نہ ہو سکے تو پھر کیا فائدہ۔ اور اگر اسے ہضم کرنے چاہتے ہو تو متقی بنو۔ ابتدائی تقویٰ جس سے قرآن کریم کی غذا ہضم ہو سکتی ہے وہ کیا ہے؟ وہ ایمان کی درستی ہے۔

تقویٰ کے لئے پہلی ضروری چیز ایمان کی درستی ہی ہے۔ قرآن کریم نے مؤمن کی علامت یہ بتائی ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔[16] ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں متقی کیسے بنوں؟ پس اس کی پہلی علامت ایمان بِالغیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ، ملائکہ، قیامت اور رسولوں پر ایمان لانا پھر اس ایمان کے نیک نتائج پر ایمان لانا بھی ایمان بِالغیب ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، قیامت اور رسالت نظر نہیں آتی اِس لئے اِس کے دلائل قرآن کریم نے مہیا کئے ہیں اور وہ دلائل ایسے ہیں کہ انسان کے لئے ماننے کے سِوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ مگر کئی لوگ ہیں جو غور نہیں کرتے آجکل ایمان بِالغیب پر لوگ تمسخر اُڑاتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں بعض لوگ ان کا تمسخر اُڑاتے ہیں تو کہتے ہیں تم تعلیم یافتہ ہو کر خدا کو مانتے ہو۔ پھر قیامت اور مرنے کے بعد اعمال کی جزا و سزا پر بھی لوگ تمسخر اُڑاتے ہیں۔ ملائکہ بھی اللہ کا پیغام اور دین لانے والے ہیں اور یہ سب ابتدائی صداقتیں ہیں مگر لوگ ان سب باتوں کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ یہ سارا ایک ہی سلسلہ ہے اور جس نے اس کی ایک کڑی کو بھی چھوڑ دیا وہ ایمان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ نیک نتائج پر ایمان لانا بھی ایمان بِالغیب میں شامل ہے اور یہی توکّل کا مقام ہے۔ ایک شخص اگر دس سیر آٹا کسی غریب کو دیتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر ملے گا تو وہ گویا غیب پر ایمان لاتا ہے۔ وہ کسی حاضر نتیجہ کے لئے یہ کام نہیں کرتا بلکہ غیب پر ایمان لانے کی وجہ سے ہی ایسا کرتا ہے۔ بلکہ جو شخص خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا وہ بھی اگر ایسی کوئی نیکی کرتا ہے تو غیب پر ایمان کی وجہ سے

ہی کر سکتا ہے۔فرض کرو کوئی شخص قومی نقطۂ نگاہ سے کسی غریب کی مدد کرتا ہے تو بھی یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ اگر کسی وقت مجھ پر یا میرے خاندان پر زوال آیا تو اسی طرح دوسرے لوگ میری یا میرے خاندان کی مدد کریں گے۔تو تمام ترقیات غیب پر مبنی ہیں کیونکہ بڑے کاموں کے نتائج فوراً نہیں نکلتے اور ایسے کام جن کے نتائج نظر نہ آئیں حوصلہ والے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

قربانی کا مادہ بھی ایمان بِالغیب ہی انسان کے اندر پیدا کر سکتا ہے۔گویا قرآن کریم نے ابتداء میں ہی ایک بڑی بات اپنے ماننے والوں میں پیدا کر دی۔چنانچہ وہ صحابہؓ جو بدر اور اُحد کی لڑائیوں میں لڑے کیا وہ کسی ایسے نتیجہ کے لئے لڑے تھے جو سامنے نظر آ رہا تھا؟ نہیں بلکہ ان کے دلوں میں ایمان بِالغیب تھا۔بدر کی لڑائی کے موقع پر مکہ کے بعض امراء نے صلح کی کوشش کی مگر بعض ایسے لوگوں نے جنہیں نقصان پہنچا ہؤا تھا شور مچا دیا کہ ہرگز صلح نہیں ہونی چاہئے۔آخر ایک شخص نے کہا کہ کسی آدمی کو بھیجا جائے جو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ کر کے آئے۔چنانچہ ایک آدمی بھیجا گیا اور اُس نے آ کر کہا کہ اے میری قوم! میرا مشورہ یہی ہے کہ ان لوگوں سے لڑائی نہ کرو۔انہوں نے کہا تم بتاؤ تو سہی کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور سامان وغیرہ کیسا ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۰ اور ۳۳۰ کے درمیان ہے اور کوئی خاص سامان بھی نہیں۔لوگوں نے پوچھا کہ پھر جب یہ حالت ہے تو تم یہ مشورہ کیوں دیتے ہو کہ ان سے لڑائی نہ کی جائے جب ان کی تعداد بھی ہم سے بہت کم ہے اور سامان بھی ان کے پاس بہت کم ہے۔اُس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں میں نے جو چہرہ بھی دیکھا میں نے معلوم کیا کہ وہ تہیہ کئے ہوئے ہے کہ خود بھی مر جائے گا اور تم کو بھی مار دے گا۔[۱۷]

چنانچہ اِس کا ثبوت اِس سے ملتا ہے کہ ابوجہل میدان میں کھڑا تھا اور عکرمہؓ اور خالد بن ولیدؓ جیسے بہادر نوجوان اُس کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو دونوں طرف پندرہ پندرہ سال کے بچے کھڑے تھے میں نے خیال کیا کہ میں آج کیا جنگ کر سکوں گا جبکہ میرے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے بچے ہیں لیکن ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک لڑکے نے آہستہ سے مجھے کُہنی ماری اور پوچھا چچا! وہ ابوجہل کون ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا کرتا ہے میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ آج اُسے ماروں گا۔ابھی وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دوسرے لڑکے نے بھی اسی طرح آہستہ سے کُہنی ماری اور مجھ سے یہی سوال کیا۔میں اِس بات سے حیران تو ہؤا مگر اُنگلی کے اشارہ سے بتایا

کہ ابوجہل وہ ہے جو خود پہنے کھڑا ہے۔ اور ابھی میں نے اُنگلی کا اشارہ کر کے ہاتھ نیچے ہی کیا تھا کہ وہ دونوں بچے اِس طرح اُس پر جا گرے جس طرح چیل اپنے شکار پر جھپٹتی ہے اور تلواریں سونت کر ایسی بے جگری سے اُس پر حملہ آور ہوئے کہ اُس کے محافظ سپاہی ابھی تلواریں سنبھال بھی نہ سکے تھے کہ انہوں نے ابوجہل کو نیچے گرا دیا۔[۱۸] ان میں سے ایک کا بازو کٹ گیا مگر قبل اِس کے کہ با قاعدہ جنگ شروع ہوا ابوجہل مُہلک طور پر زخمی ہو چکا تھا۔ یہ کیا چیز تھی جس نے ان لوگوں میں اتنی جرأت پیدا کر دی تھی؟ یہ ایمان بِالغیب ہی تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ہر وقت قربانیوں کی آگ میں جھونکنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور یہ ایمان بِالغیب ہی تھا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ دنیا کی نجات اسلام میں ہی ہے اور خواہ کچھ ہو ہم اسلام کو دنیا میں غالب کر کے رہیں گے۔

پس مجلس انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کا کام یہ ہے کہ جماعت میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کے لئے پہلی ضروری چیز ایمان بِالغیب ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ، ملائکہ، قیامت، رسولوں اور اُن شاندار اور عظیم الشان نتائج پر جو آئندہ نکلنے والے ہیں ایمان پیدا کرنا چاہیئے۔ انسان کے اندر بُزدلی اور نِفاق وغیرہ اُسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب دل میں ایمان بِالغیب نہ ہو۔ اِس صورت میں انسان سمجھتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے یہ بھی اگر چلا گیا تو پھر کچھ نہ رہے گا اس لئے وہ قربانی کرنے سے ڈرتا ہے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے ایک معنے امن دینا بھی ہے۔ یعنی جب قوم کا کوئی فرد باہر جاتا ہے تو اس کے دل میں یہ اطمینان ہونا ضروری ہے کہ اُس کے بھائی اُس کے بیوی بچوں کو امن دیں گے۔ کوئی قوم جہاد نہیں کر سکتی جب تک اسے یہ یقین نہ ہو کہ اُس کے پیچھے رہنے والے بھائی دیانت دار ہیں۔ پس ان تینوں مجلسوں کا ایک یہ بھی کام ہے کہ جماعت کے اندر ایسی امن کی روح پیدا کریں۔ اِن تینوں مجالس کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ایمان بِالغیب ایک میخ کی طرح ہر احمدی کے دل میں اس طرح گڑ جائے کہ اُس کا ہر خیال، ہر قول اور ہر عمل اس کے تابع ہو اور یہ ایمان قرآن کریم کے علم کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ فلسفیوں کی جھوٹی اور پُر فریب باتوں سے متأثر ہوں اور قرآن کریم کا علم حاصل کرنے سے غافل رہیں وہ ہرگز کوئی کام نہیں کر سکتے۔ پس مجالس انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجنہ کا یہ فرض ہے اور ان کی یہ پالیسی ہونی چاہیئے کہ وہ یہ باتیں قوم کے اندر پیدا کریں اور ہر ممکن ذریعہ سے اس کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ لیکچروں

کے ذریعہ، اسباق کے ذریعہ اور بار بار امتحان لے کر ان باتوں کو دلوں میں راسخ کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو بار بار پڑھایا جائے یہاں تک کہ ہر مرد و عورت اور ہر چھوٹے بڑے کے دل میں ایمان بِالغیب پیدا ہو جائے۔

دوسرے ضروری چیز نماز پوری شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے قرآن کریم نے یُؤَدُّوْنَ الصَّلٰوۃَ کہیں نہیں فرمایا یا یُصَلُّوْنَ نہیں کہا بلکہ جب بھی نماز کا حکم دیا ہے یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ[19] فرمایا ہے اور اقامت کے معنے باجماعت نماز ادا کرنے کے ہیں اور پھر اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ گویا صرف نماز کا ادا کرنا کافی نہیں بلکہ نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے اور اس طرح ادا کرنا ضروری ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص نہ رہے۔ اسلام میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ قائم کرنے کا حکم ہے اس لئے ہر احمدی کا فرض ہے کہ نماز پڑھنے پر خوش نہ ہو بلکہ نماز قائم کرنے پر خوش ہو۔ پھر خود ہی نماز قائم کر لینا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو اس پر قائم کرنا چاہئے۔ اپنے بیوی بچوں کو بھی اقامتِ نماز کا عادی بنانا چاہئے۔ بعض لوگ خود تو نماز کے پابند ہوتے ہیں مگر بیوی بچوں کے متعلق کوئی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ اگر دل میں اخلاص ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی بچے کا یا بیوی کا یا بہن بھائی کا نماز چھوڑنا انسان گوارا کر سکے۔

ہماری جماعت میں ایک مخلص دوست تھے جو اَب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے لڑکے نے مجھے لکھا کہ میرے والد میرے نام ''الفضل'' جاری نہیں کراتے۔ میں نے انہیں لکھا کہ آپ کیوں اس کے نام ''الفضل'' جاری نہیں کراتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مذہب کے معاملہ میں اسے آزادی حاصل ہو اور وہ آزادانہ طور پر اِس پر غور کر سکے۔ میں نے انہیں لکھا کہ ''الفضل'' پڑھنے سے تو آپ سمجھتے ہیں اس پر اثر پڑے گا اور مذہبی آزادی نہ رہے گی لیکن کیا اِس کا بھی آپ نے کوئی انتظام کر لیا ہے کہ اس کے پروفیسر اس پر اثر نہ ڈالیں، کتابیں جو وہ پڑھتا ہے وہ اثر نہ ڈالیں، دوست اثر نہ ڈالیں اور جب یہ سارے کے سارے اثر ڈال رہے ہیں تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسے زہر تو کھانے دیا جائے اور تریاق سے بچایا جائے۔ تو میں بتا رہا تھا کہ **اقامتِ نماز ضروری ہے اور اس میں خود نماز پڑھنا، دوسروں کو پڑھوانا، اخلاص اور جوش کے ساتھ پڑھنا، باوضو ہو کر ٹھہر ٹھہر کر باجماعت اور پوری شرائط کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے اس کی طرف ہمارے دوستوں کو خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔ مجھے افسوس ہے کہ کئی لوگوں کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ خود تو نماز پڑھتے ہیں مگر ان کی اولاد نہیں**

پڑھتی۔ اولاد کو نماز کا پابند بنانا بھی اشد ضروری ہے اور نہ پڑھنے پر ان کو سزا دینی چاہئے۔ ایسی صورت میں بچوں کا خرچ بند کرنے کا تو حق نہیں ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں خرچ تو دیتا رہوں گا مگر تم میرے سامنے نہ آؤ جب تک نماز کے پابند نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی بچہ کہہ دے کہ میں مسلمان نہیں ہوں تو پھر البتہ حق نہیں کہ اُس پر زور دیا جائے لیکن اگر وہ احمدی اور مسلمان ہے تو پھر اسے سزا دینی چاہئے اور کہہ دینا چاہئے کہ آج سے تم ہمارے گھر میں نہیں رہ سکتے جب تک کہ نماز کے پابند نہ ہو جاؤ۔

تیسری چیز وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [20] یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی پہلی چیز جذبات ہیں۔ بچہ جب ذرا ہوش سنبھالتا ہے تو محبت اور پیار اور غصہ کو محسوس کرتا ہے، خوش ہوتا اور ناراض ہوتا ہے، پھر پیدائش سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھیں، ناک، کان اور ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ پھر بڑا ہونے پر علم ملتا ہے، طاقت ملتی ہے ان سب میں سے تھوڑا تھوڑا خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطالبہ ہے۔ علم، روپیہ، عقل، جذبات اور اپنی طاقتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے یہ مطالبہ ایسا وسیع ہے کہ اس کی تفصیل کے لئے کئی گھنٹے درکار ہیں اور اس پر ہزار صفحہ کی کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر کتنے لوگ ہیں جو اِس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ بہت سے ہیں جو تھوڑا بہت صدقہ دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ اس مطالبہ کو پورا کر دیا۔ حالانکہ یہ بہت وسیع ہے۔ جہاد کا حکم بھی اسی کا ایک جُزو ہے۔ بعض امراء صدقہ دے دیتے ہیں، کچھ پیسے خرچ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اِس حکم کی تعمیل کر دی حالانکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی بہت سی چیزوں میں سے ایک کو خرچ کر دیا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب کچھ جو تمہیں دیا گیا ہے ان سب میں سے کچھ کچھ خرچ کرو۔

ہماری تائی صاحبہ تھیں اسّی پچاسی سال کی عمر میں سارا سال روئی کو کتوانا، پھر اَٹیاں بنانا، پھر جلاہوں کو دے کر اُس کا کپڑا بُنوانا اور پھر رضائیاں اور توشکیں بنوا کر غریبوں میں تقسیم کرنا اُن کا دستور تھا اور اِس میں سے بہت سا کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ جب کہا جاتا کہ دوسروں سے کرا لیا کریں تو کہتیں اس طرح مزا نہیں آتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چیز کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے مگر کتنے لوگ ہیں جو ایسا کرتے ہیں؟ بعض لوگ چند پیسے کسی غریب کو دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ اِس پر عمل ہو گیا حالانکہ یہ درست نہیں۔ جو شخص پیسے تو خرچ کرتا ہے مگر اصلاح وارشاد کے کام میں حصہ نہیں لیتا وہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے اِس حکم پر عمل کر لیا ہے یا جو یہ کام بھی کرتا ہے

مگر ہاتھ پاؤں اور اپنی طاقت کو خرچ نہیں کرتا، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت نہیں کرتا وہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے اِس پر عمل کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ساری قوتوں کو صَرف کرنے کا حکم ہے۔ جذبات کو بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں صَرف کرنا ضروری ہے مثلاً غصہ چڑھا تو معاف کر دیا۔ اِسی کے ماتحت ہاتھ سے کام کرنا اور محنت کرنا بھی ہے۔ **اور میں خدام الاحمدیہ کو خصوصیت سے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ خدمتِ خلق کی روح نوجوانوں میں پیدا کریں۔ شادیوں بیاہوں اور دیگر تقریبات میں کام کرو، خواہ وہ کسی مذہب کے لوگوں کی ہو۔**

اِس کے بعد فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ[۲۱] اس میں ایمان بِالقرآن کا حکم ہے مگر اس کو صرف ماننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ہر حکم کو اپنے اوپر حاکم بنانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں **مَیں نے احباب کو یہ نصیحت کی تھی کہ قرآن کریم نے عورتوں کو حصہ دینے کا جو حکم دیا ہے اس پر عمل کریں۔ اور چند سال ہوئے جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے احباب سے کہا تھا کہ کھڑے ہو کر اِس کا اقرار کریں اور اکثر نے کیا بھی تھا مگر میرے پاس شکائتیں پہنچتی رہتی ہیں کہ بعض احمدی نہ صرف یہ کہ خود حصہ نہیں دیتے بلکہ دوسروں سے لڑتے ہیں کہ تم بھی کیوں دیتے ہو۔ مسلمانوں نے جب عورتوں سے یہ سلوک شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے اُن کو عورتیں بنا دیا۔ انہیں ماتحت کر دیا اور دوسروں کو ان پر حاکم کر دیا انہوں نے عورتوں کو ان کے حق سے محروم کیا تو خدا تعالیٰ نے ان سے حکومت چھین کر انگریزوں کو دے دی۔ انہوں نے عورتوں کو نیچے گرایا اور خدا تعالیٰ نے ان کو گرا دیا۔ لیکن اگر تم آج عورتوں کو ان کے حقوق دینے لگ جاؤ اور مظلوموں کے حق قائم کرو تو خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور تمہیں اُٹھا کر اوپر لے جائیں گے۔**

پس عورتوں کے حقوق ان کو ادا کرو اور ان کے حصے ان کو دو مگر اس طرح نہیں جس طرح کا ایک واقعہ میں نے پہلے بھی کئی بار سنایا ہے ایک احمدی تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ قادیان سے ایک دوست ان کے پاس گئے تو ان کو معلوم ہؤا کہ وہ اپنی بیویوں کو مارتے ہیں۔ انہوں نے نصیحت کی کہ یہ ٹھیک نہیں۔ اُس نے کہا کہ میں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا ہے کہ جب ایک غلطی کرے تو اُسے تو اُس کی غلطی کی وجہ سے مارتا ہوں اور دوسری کو ساتھ اِس لئے مارتا ہوں کہ وہ اس پر ہنسے نہیں۔ جو دوست قادیان سے گئے تھے اُنہوں نے بہت سمجھایا کہ یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسے سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ اُس نے سن کر کہا کہ اچھا

پھر تو بہت بڑی غلطی ہوئی اب کیا کروں۔ کیا معافی مانگوں؟ انہوں نے کہا ہاں معافی مانگ لو۔ وہ گھر پہنچے اور بیویوں کو بُلا کر کہا کہ مجھ سے تو بڑی غلطی ہوتی رہی جو میں تم کو مارتا رہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ تو گناہ ہے اور حضرت صاحب اس پر بہت ناراض ہوتے ہیں اس لئے مجھے معافی دے دو۔ وہ دل میں خوش ہوئیں کہ آج ہمارے حقوق قائم ہونے لگے ہیں۔ بِگڑ کر کہنے لگیں کہ تم مارا ہی کیوں کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ بس غلطی ہوگئی اب معاف کر دو۔ وہ کہنے لگیں کہ نہیں ہم تو معاف نہیں کریں گی۔ اِس پر اُس نے کہا کہ سیدھی طرح معافی دیتی ہو یا ''لاہواں چھِل'' یعنی کھال اُدھیڑوں۔ وہ سمجھ گئیں کہ بس اب یہ بِگڑ گئے ہیں جھٹ کہنے لگیں کہ نہیں ہم تو یونہی کہہ رہی تھیں آپ کی مار تو ہمارے لئے پھولوں کی طرح ہے۔

ہندوستان میں عورتوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے۔ کُتّے کو اس طرح نہیں مارا جاتا، بیلوں اور جانوروں کو بھی اس طرح نہیں مارا جاتا جس طرح عورتوں کو مارا جاتا ہے اور عورتوں کے ساتھ ان کے اس سلوک کا یہ نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عورتوں کی پوزیشن دے دی ہے۔ جب عورت کی عزت نہ کی جائے تو اولاد کے دل میں بھی خساست پیدا ہوتی ہے۔ باپ خواہ سید ہو لیکن اگر اُس کی ماں کی عزت نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو انسان کا بچہ نہیں بلکہ ایک انسان اور حیوان کا بچہ سمجھتا ہے اور اس طرح وہ بُزدل بھی ہو جاتا ہے۔ پس عورتوں کی عزت قائم کرو اس کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ تمہارے بچے اگر گیدڑ ہیں تو وہ شیر ہو جائیں گے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ[۲۲] کے بعد ایمان کا حکم ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ دوسروں کے بزرگوں کا جائز ادب اور احترام کرو۔ گویا اس میں صلح کی تعلیم دی گئی ہے پھر اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ تبلیغ میں نرمی اور سچائی کا طریق اختیار کرو۔

آخری چیز یقین بِالآخرۃ ہے اس کے معنے دو ہیں ایک تو مرنے کے بعد زندگی کا یقین ہے۔ بعض دفعہ انسان کو قربانیاں کرنی پڑتی ہیں مگر ایمان بِالْغَیْب کی طرف اُس کا ذہن نہیں جاتا اُس وقت اِس بات سے ہی اس کی ہمت بندھتی ہے کہ میری اِس قربانی کا نتیجہ اگلے جہان میں نکلے گا۔ پھر اِس کے یہ معنے بھی ہیں کہ انسان ایمان رکھے کہ خدا تعالیٰ مجھ پر بھی اسی طرح کلام نازل کرسکتا ہے جس طرح اُس نے پہلوں پر کیا اِس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔ خدا تعالیٰ سے محبت وہی شخص کرسکتا ہے جو یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ میری محبت کا صلہ مجھے ضرور دے سکتا ہے جس کے دل میں یہ ایمان نہ ہو وہ خدا تعالیٰ سے محبت نہیں کرسکتا۔

پس یہ چھ کام ہیں جو انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کے ذمہ ہیں۔ ان کو چاہئے کہ پوری کوشش کر کے جماعت کے اندر ان امور کو رائج کریں تا کہ ان کا ایمان صرف رسمی ایمان نہ رہے بلکہ حقیقی ایمان ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دے اور وہ غرض پوری ہو جس کے لئے مَیں نے اِس تنظیم کی بنیاد رکھی ہے۔ (الفضل ۲۶ را کتوبر ۱۹۶۰ء)

۱؎ البقرۃ:۲۶

۲؎ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۸۶ روحانی خزائن جلد ۵

۳؎ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۹۶ روحانی خزائن جلد ۵ ۴؎ المنافقون: ۸

۵؎ مسلم کتاب البر والصِّلۃِ باب تراحم المؤمنین (الخ)

۶؎ شہادۃ القرآن صفحہ ۸۴ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۸۰

۷؎ ازالہ اوہام صفحہ ۲۷۳ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۷۳ ۸؎ النمل: ۳۵

۹؎ **کریٹ:**(CRETE)۔ مشرقی بحیرہ روم میں یونان کا سب سے بڑا جزیرہ۔ کریٹ کی قدیم منونی (MINOAN) تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے تھی۔ دوسری عالمی جنگ میں انگریزی فوجیں اپریل ۱۹۴۱ء میں پسپا ہو کر کریٹ میں جمع ہوئیں اور مئی میں جرمنوں کے زبردست ہوائی حملوں سے کُچلی گئیں ۱۹۴۴ء کے آخر میں برطانوی بحری طاقت نے جزیرے کو گھیرے میں لے لیا اور جرمنوں نے چھاپہ مار اتحادی دستوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ (اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۱۹۹۔ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۰؎ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۶۔ روحانی خزائن جلد ۲۲

۱۱؎ متی باب ۲۵ آیت ۱ تا ۱۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۱۲؎ کنسنٹریشن کیمپ: سیاسی اور جنگی اسیروں کے کیمپ

۱۳؎ مسلم کتاب الایمان باب جواز الاستسرار بِالایمانِ للخائف

۱۴؎ البقرۃ:۲، ۳ ۱۵؎ تذکرہ صفحہ ۴۵۔ ایڈیشن چہارم

۱۶؎ البقرۃ:۴

۱۷؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۱۸؎ بخاری کتاب المغازی باب فَضْلُ مَنْ شَھِدَ بَدْرًا

۱۹؎، ۲۰؎ البقرۃ:۴ ۲۱؎، ۲۲؎ البقرۃ:۶